ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان
مارچ 2026ء | امان 1405 ھجری شمسی | رمضان 1447 ھجری قمری | جلد 15 نمبر 03

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیان بر منار بلند تر محکم افتاد

اب ظہور کر اور نکل کہ تیرا وقت نزدیک آگیا اور اب وہ وقت آرہا ہے کہ محمدی گڑھے میں سے نکال لئے جاویں گے اور ایک بلند اور مضبوط مینار پر ان کا قدم پڑے گا۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 511)



https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

مارچ 2026ء | امان 1405 ھجری شمسی |
رمضان 1447 ھجری قمری |
جلد 15 نمبر 03

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان



اداریہ

”اے یورپ تو بھی امن میں نہیں
اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں“

خدا تعالیٰ اس وقت اپنے کسی نبی اور رسول کو بھیجتا ہے جب معاشرہ اور قوم اخلاقی وروحانی طور پر تباہ ہو چکی ہوتی ہے۔ ظلم وفساد ہر شعبہ میں پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں منصفانہ تقسیم ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ لوگ اپنے خالق ومالک حقیقی کو بھول چکے ہوتے ہیں۔ اور ان ہر قسم کے باہمی رشتوں میں ایک فساد اور کدورت پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ ان بیماریوں اور فسادوں کو دور کرنے کے لئے اور دنیا میں امن وآشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے خدا اپنے نبی کو بھیجتا ہے۔ چنانچہ اب اس زمانے میں ہندوستان میں ایک نبی مبعوث ہوا۔ اور اس مامور مصلح نے اعلان کیا کہ

> ”وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ **خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقعہ ہو گئی ہے اُس کو دُور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں۔** اور وہ دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں اُن کو ظاہر کر دوں۔ اور وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اس کا نمونہ دکھاؤں اور خدا کی طاقتیں جو انسان کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دُعا کے ذریعہ سے نمودار ہوتی ہیں حال کے ذریعہ سے نہ محض مَقال سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اَب نابود ہو چکی ہے اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودا لگا دوں۔ اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہو گا بلکہ اس خدا کی طاقت سے ہو گا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو خدا نے اپنے ہاتھ سے میری تربیت فرما کر اور مجھے اپنی وحی سے شرف بخش کر میرے دل کو یہ جوش بخشا ہے کہ میں اس قسم کی اصلاحوں کے لئے کھڑا ہو جاؤں۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 180)

خدا تعالیٰ کے یہ فرستادے (Messengers) بشیر اور نذیر ہوا کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ بشارت

ہی لے کر آتے ہیں کہ خوشخبری ہو کہ تمہارا مسیحا آگیا، تمہاری ہر قسم کی بیماری کا شافی و وافی و کافی علاج کرنے والا آگیا۔ تمہارے ہر دکھ اور درد کی دوا لے کر وہ آگیا۔ البتہ جو اس کو ٹھکراتے ہیں، جو اس کی تکذیب کرتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں اور ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہوئے اس کی تعلیم کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کو ناکام کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں ان کے لئے وہ "نذیر" ہوا کرتے ہیں۔ اور نذیر بھی خدا کی طرف سے۔ اور پھر ایک وقت تک خدا ایسے لوگوں کو، ایسی قوموں کو ڈھیل تو دیتا ہے لیکن چھوڑتا نہیں۔ اور وہ بتاتا ہے کہ دیکھو تمہیں مساوات اور انصاف کے ساتھ یہاں حکومت کرنا ہوگی، لوگوں کے ساتھ منصفانہ برابری کا سلوک کرنا ہوگا۔ اور خدا اور خدا کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ بنی نوع انسان سے ہمدردی اور مساوات کا سلوک کرنا ہوگا۔ نہیں تو یاد رکھو جب کوئی اس کے پیغمبر کی، رسول کی بات نہیں سنتا تو ایک وقت آتا ہے کہ پھر وہ خود اپنی بات ایسے طریق سے سناتا ہے کہ پھر ساری دنیا سنتی ہے۔ اور کسی کو اس سے مفر نہیں ہوتا۔ اور یہی بات آج اس زمانے کے پیغمبر نے بتائی کہ دیکھو میری بات سنو اور توجہ سے سنو اور اس پر ایمان لاؤ، عمل کرو ورنہ ایسی ایسی قیامت خیز بلائیں اس دنیا میں آئیں گی کہ دنیا حیران ہو جائے گی اور پھر اس کے نتیجہ میں خدا کی یہ بات پوری ہوگی اور میری لائی ہوئی تعلیم ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور اسلام احمدیت کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں لہرانے لگے گا۔

چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض اُن میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا اُن میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں اُن کا پتہ نہیں ملے گا تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔ اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے

دنیا پر ہی گر گئے ہیں اگر میں نہ آیا ہوتا تو اِن بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[1]

اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں اُن پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم اِن زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اُس دن خاتمہ ہوگا یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک اُن سے محفوظ ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید اُن سے زیادہ مصیبت کا مُنہ دیکھو گے۔ **اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔** میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اِس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اُس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 268، 269)

1۔ اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں (اور حجت تمام کر دیں)۔ (بنی اسرائیل 16)



ارشاد باری تعالیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ
وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۳﴾
وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۔ (الجمعہ: 3، 4)

(ترجمہ از تفسیر صغیر) وہی خدا ہے، جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا (جو باوجود ان پڑھ ہونے کے) ان کو خدا کے احکام سناتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔ اور ان کے سوا ایک دوسرے قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کرے گا جو انہیں میں

سے ہو جائیں گے اور انہیں کے کمالات پیدا کر لیں گے مگر ابھی وہ ان سے ملے نہیں اور خدا غالب ہے اور حکمت والا۔ اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ میں آخرین کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے گویا تمام آیت معہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یوں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

یعنی ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور بھی ہیں جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ میں پیدا ہو گا اور جیسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے یعنی وہ لوگ ایسے زمانہ میں آئیں گے کہ جس زمانہ میں ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور مذہب اسلام بہت سی غلطیوں اور بدعتوں سے پر ہو جائے گا اور فقرا کے دلوں سے بھی باطنی روشنی جاتی رہے گی تب خدا تعالیٰ کسی نفس سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلوں اور طریقوں کے صرف نبی کریم کی روحانیت کی تربیت سے کمال روحانی تک پہنچا دے گا اور اس کو ایک گروہ بنائے گا اور وہ گروہ صحابہ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کرے گا کیونکہ وہ تمام وکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زراعت ہو گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ان میں جاری وساری ہو گا اور صحابہ سے وہ ملیں گے یعنی اپنے کمالات کے رو سے ان کے مشابہ ہو جائیں گے اور ان کو خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی موقعے ثواب حاصل کرنے کے حاصل ہو جائیں گے جو صحابہ کو حاصل ہوئے تھے اور بباعث تنہائی اور بے کسی اور پھر صادق قدمی کے اسی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک صادق سمجھے جائیں گے کہ جس طرح صحابہ سمجھے گئے تھے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 208 تا 210)



ارشاد نبوی ﷺ

”دوسرا حصہ اس اُمّت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی“

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ، فَلَمَّا قَرَأَ: {وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} [الجمعة: 3] قَالَ رَجُلٌ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى سَأَلَهُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ: وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ: فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: ”لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ“

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ باب فضل فارس حدیث:2546)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب آپؐ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپ نے وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ پڑھی تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہؐ! یہ کون لوگ ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس نے ایک یا دو یا تین مرتبہ آپؐ سے پوچھا۔ وہ (حضرت ابوہریرہؓ) بیان کرتے ہیں اور ہم میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسیؓ پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی تو ان میں سے کچھ جوان مرد اسے پالیں گے۔

(ترجمہ از صحیح مسلم مترجم شائع کردہ نور فاؤنڈیشن جلد 13 صفحہ 201، 202)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”خدا کے کلام میں یہ امر قرار یافتہ تھا کہ دوسرا حصہ اس امت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو دوسروں سے علیحدہ کر کے بیان کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعہ:4) یعنی امت محمدیہ میں سے ایک اور فرقہ بھی ہے جو بعد میں آخری زمانہ میں آنے والے ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کی پشت پر مارا اور فرمایا لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اور یہ میری نسبت پیشگوئی تھی۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس پیشگوئی کی تصدیق کے لئے وہی حدیث بطور وحی میرے پر نازل کی اور وحی کی رو سے مجھ سے پہلے اس کا کوئی مصداق معین نہ تھا اور خدا کی وحی نے مجھے معین کر دیا۔ فالحمدللہ۔ منہ“(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 407 حاشیہ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ۔ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِنْ فَارِسٍ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهٗ خُذُوا التَّوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَا اَبْنَآءَ الْفَارِسِ۔ اس الہام میں صریح اور صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ فارسی الاصل جس کا دوسرا نام حارث بھی ہے بڑی خصوصیت یہ رکھتا ہے کہ اس کا ایمان نہایت درجہ کا قوی ہے اگر ایمان ثریا میں بھی ہوتا تو وہ مردو ہیں اس کو پالیتا خدا اس کا شکر گزار ہے کہ اس نے دین اسلام کے منکروں کے سب الزامات و شبہات کو رد کیا اور حجت کو پورا کر دیا توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے ابنائے فارس۔ یعنی توحید کی راہیں صاف کرو اور توحید سکھلاؤ اور توحید جو دنیا سے گری جاتی اور گم ہوتی جاتی ہے اس کو پکڑلو کہ یہی سب سے مقدم ہے اور اس کو لوگ بھول گئے اور اس جگہ ابن کی جگہ جو اَبْنَآء کا لفظ اختیار کیا گیا حالانکہ **مخاطب صرف ایک شخص ہے یعنی یہ عاجز۔ یہ بطور اعزاز کے حضرت باری تعالیٰ کی طرف سے ہے** جیسا کہ بعض حدیثوں میں بجائے اس حدیث کے کہ 'لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ ہے رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ لکھا ہے وہ بھی در حقیقت اس اعزاز کے ارادہ سے ہے ورنہ ہر جگہ در حقیقت رَجُل ہی مراد ہے۔“

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 153 تا 155 حاشیہ)



اِمَامُ الْکَلَام علیہ الصلوٰۃ والسلام

روحانی پانی کا محتاج زمانہ

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اے بندگان خدا! آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساکِ باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی پانی ہے **(یعنی خدا کی وحی)** وہی سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج تھا۔

میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں **عین ضرورت کے وقت** خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا۔ اور نہ صرف **تقویٰ اور طہارت** کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰ کے وقت میں تھے سچائی کے دشمن ہو گئے تب بالمقابل خدا نے میرا نام مسیح رکھ دیا۔ نہ صرف یہ ہے کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے مجھے بلایا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 428)



کَلَامُ الْاِمَام

تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”اس سورۃ (سورۃ الجمعہ) کے شروع میں آخرین میں سے آنحضرت ﷺ کے غلام صادق کے مبعوث ہونے کی بھی خوشخبری دی گئی ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقصد کو بھی پورا کرنے کی خاطر آپ ﷺ کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کی تعلیم کو بھی پھیلانا تھا، تزکیہ نفس بھی کرنا تھا اور حکمت کی باتیں بھی سکھانی تھیں تاکہ دنیا اپنے خدا کو پہچان سکے اور مسلمان بھی ایک اُمّتِ واحدہ بن جائیں اور دوسری قوموں کے سعید لوگ بھی، جو سعید فطرت لوگ ہیں ایک ہاتھ پر جمع ہو کر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بن جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اغراض میں سے ایک تکمیل دین بھی تھی۔“

آپؑ فرماتے ہیں کہ ”اس تکمیل میں دو خوبیاں تھیں ایک تکمیل ہدایت اور دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت کا زمانہ تو آنحضرت ﷺ کا اپنا پہلا زمانہ تھا اور تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ آپ کا دوسرا زمانہ ہے۔ جبکہ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ:4) کا وقت آنے والا ہے اور وہ وقت اب ہے یعنی میرا زمانہ یعنی مسیح موعود کا زمانہ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت کے زمانوں کو بھی اس طرح پر ملایا ہے اور یہ بھی عظیم الشان جمع ہے۔“ (”ملفوظات“ حضرت اقدس مسیح موعودؑ جلد 3 صفحہ 69،70 جدید ایڈیشن مطبوعہ انگلستان 1985ء)

تکمیل ہدایت کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں چاہے وہ دنیاوی ہیں یا روحانی ہیں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہیں اور اس کامل دین کے بعد کسی نئے دین اور کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ دنیاوی نعمتیں تو نقطہ عروج پر نہیں پہنچیں بلکہ ہر روز نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں تو واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ ہی ایک کامل نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک تو تمام انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا اور آپؐ ہی وہ کامل نبی ہیں جن کو قیامت تک کا زمانہ عطا فرمایا گیا ہے۔ اور آپؐ پر اترنے والی کتاب قرآن کریم ہی وہ کامل کتاب

ہے جو اپنے اندر پرانی تاریخ بھی لئے ہوئے ہے، نئے احکامات بھی لئے ہوئے ہے اور دنیاوی لحاظ سے جو نئی ایجادات ہیں ان کی پیش خبری بھی پہلے سے قرآن کریم نے دے دی ہے اور جوں جوں کوئی نئی دریافت ہوتی جاتی ہے اس کی تائید قرآن کریم سے ملتی جاتی ہے۔ بلکہ مسلمان سائنسدان اگر غور کریں اور غور کر کے اپنی ریسرچ (Research) قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے حوالے سے کریں یا اُس علم کے حوالے سے کریں جو قرآن کریم میں ایک خزانے کی صورت میں موجود ہے تو نئی ریسرچ کی بہت سی راہنمائی قرآن کریم سے ملے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بھی قرآن کریم کے علم کی روشنی میں اپنی ریسرچ کی تھی اور جیسا کہ مَیں پہلے بھی کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ ان کے غور کے مطابق قرآن کریم میں سات سو کے قریب ایسی آیات ہیں جو سائنس سے متعلق ہیں، یا ایسی آیات ملتی ہیں جن سے سائنس کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے۔ تو یہ ان کا غور ہے جو انہوں نے کیا۔ ہو سکتا کہ کوئی اور احمدی مسلمان سائنسدان اس وسیع سمندر میں غوطہ لگائے تو قرآن کریم میں سے اس سے بھی زیادہ علم کے موتی تلاش کر کے لے آئے۔

بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تکمیل ہدایت تو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ہو گئی۔ کوئی علمی، دینی، سائنسی، روحانی بات یا علم نہیں جو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے یا آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم کے ذریعہ سے تکمیل نہ پا گیا ہو۔ لیکن اس زمانے میں بعض چیزیں پردہ غیب میں تھیں اور سامنے نہیں آئی تھیں۔ اس لئے گزشتہ لوگوں سے چھپی رہیں۔

لیکن مسیح موعود کے زمانے میں یہ نئی ایجادات سامنے آ کر تکمیل اشاعت ہدایت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج یہ نئی ایجادات جو انسان کے فائدے کے لئے ہیں آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت میں کام آ رہی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں پریس وغیرہ کی مثالیں دی ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں، سیٹلائٹ وغیرہ ہیں اور بہت ساری چیزیں ہیں۔ پس یہ جو آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق اور مسیح الزمان کا زمانہ ہے اس میں ایسی ایسی باتیں سامنے آ رہی ہیں یا ان کی مدد سے دین کی اشاعت ہو رہی ہے یا قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم، مقام اور مرتبہ کی کاملیت کے ایسے ایسے اسلوب اور زاویے نظر آتے ہیں جو ایک مومن کے دل اور ایمان کو مزید تقویت دیتے ہیں اور یہ چیزیں پھر ہمیں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 2 جنوری 2009ء، خطبات مسرور جلد 8 صفحہ 1 تا 3)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام و مرتبہ

از ارشادات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت بانیٔ جماعت احمدیہؑ کے مقام و مرتبہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ کا مقام نبوت:

بعض لوگ بعض دفعہ مجھے خط بھی لکھ دیتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہ کہو یا لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے ہی اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں کہ اس سے جو مخالفت ہے اس میں کمی آجائے گی۔ اِس لئے اگر یہ لفظ نہ استعمال کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ: ”جو امور سماوی ہوتے ہیں اُن کے بیان کرنے میں ڈرنا نہیں چاہئے“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا جو بیان ہو گیا اور جو باتیں خدا تعالیٰ نے کہہ دیں، اُن کو کہنے سے ڈرنا نہیں چاہئے“ اور کسی قسم کا خوف کرنا اہلِ حق کا قاعدہ نہیں۔ صحابہ کرام کے طرزِ عمل پر نظر کرو۔ وہ بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور جو کچھ اُن کا عقیدہ تھا وہ صاف صاف کہہ دیا اور حق کہنے سے ذرا نہیں جھجکے، جبھی تو وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدۃ:55) کے مصداق ہوئے۔“

فرمایا ”**ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔**“

فرمایا ”خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اُسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے“۔ (کوئی نئی شریعت والی نبوت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو منسوخ کر رہی ہو اور نئی کتاب لائے) ”ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں“۔

فرمایا ”بھلا اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لئے اور کونسا امتیازی لفظ ہے جو دوسرے ملہموں سے ممتاز کرے؟“
(ملفوظات جلد نمبر 5 صفحہ 446,447 مطبوعہ ربوہ)

پس فرمایا: یہ الہام تو دوسروں کو بھی ہو جاتے ہیں لیکن کثرت سے جو الہام ہوتے ہیں، کثرت سے اللہ تعالیٰ جو باتیں کرتا ہے تو یہی نبوت کا مقام ہے اور اس تعریف کی رو سے میں نبی ہوں۔ ورنہ الہام تو اَوروں کو بھی ہو جاتے ہیں۔ پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک کھلا اور واضح اعلان ہے اور یہ عین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ہے کہ حضرت مسیح موعود نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں۔(سنن ابو داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال حدیث:4324)

پس جب مسیح موعود ماناہے تو نبی بھی ماننا ضروری ہے۔ باقی رہی مخالفتیں، تو وہ الٰہی جماعتوں کی ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی اور یہی الٰہی جماعتوں کی نشانی ہے کہ اُن کی مخالفتیں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جابر سلطان اور اُن کے جتھے مقابل پر کھڑے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور آخر ایک وقت ایسا آتا ہے جب یہ تمام جتھے ختم ہو جاتے ہیں، تمام طاقتیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی غالب آتی ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ۔ (المجادلہ:22) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔
(خطبہ جمعہ فرمودہ4/مارچ2011ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل25/مارچ2011ء)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی کہہ کر پکارا ہے

”ایک دفعہ میں ایک پورا خطبہ اس بات پر بھی دے چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہیں اور جن لوگوں کو کسی بھی قسم کی غلط فہمی ہے یا بعض لوگ بزدلی یا مداہنت میں غیروں کے سامنے، بات کرتے ہوئے، بحث کرتے ہوئے، اظہار کر جاتے ہیں اُن کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو نبی کہہ کر پکارا ہے اور اللہ کے فضل سے آپ نبی ہیں لیکن غیر شرعی نبی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں آئے ہوئے اور آپ سے کامل محبت اور عشق کرنے والے نبی۔“
(خطبہ جمعہ فرمودہ24/جون2011ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل15/جولائی2011ء)

حضرت مسیح موعودؑ امتی نبی ہیں:

”حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غلامِ صادق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے دنیا میں بھیجا۔ آپؑ کا جو کچھ بھی ہے وہ آپ کا نہیں بلکہ آپ کے آقا و مطاع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور جو کچھ بھی آپ نے فیض پایا آپؐ کی غلامی سے پایا۔ آپؑ ایک جگہ رسالہ الوصیت میں فرماتے ہیں کہ ”نبوتِ محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ

سب نبوتوں سے زیادہ اُس میں فیض ہے۔ اس نبوّت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے۔“
(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 311)

پس آپ نے یہ فیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پیروی کی وجہ سے اُس مقام تک پہنچایا جو نبوت کا مقام ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ صرف کامل پیروی بھی کافی نہیں ہے یا کامل پیروی کی وجہ سے انسان نبی نہیں بن جاتا کیونکہ اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے۔ ہاں اُمّتی اور نبی دونوں لفظ جب جمع ہوتے ہیں، دونوں کا اجتماع جو ہے، اس پر وہ صادق آسکتی ہے، کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں بلکہ نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کی وجہ سے اور آپ کی کامل پیروی اور عشق کی وجہ سے نبوت کا مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ یعنی نبوت کا مقام اُمّتی ہونے کی وجہ سے ملا اور اس عشق کی وجہ سے ملا۔ اُمتی ہونا ایک لازمی شرط ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تائیدات سے نواز کر آپ کے حق میں نشان دکھا کر ایک دنیا کی توجہ آپ کی طرف پھیری اور یہ سلسلہ جو آپ کے دعویٰ سے شروع ہوا آج تک چل رہا ہے اور نیک طبع اس جاری فیض سے فیض پا رہے ہیں اور آپ کی بنائی ہوئی جماعت میں، آپ کی بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو رہے ہیں۔ لیکن یہاں بھی اپنے آقا کی پیروی میں جو فیض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوا، اُس سے وہی فائدہ اُٹھا رہا ہے جو آپ کے بعد اللہ تعالیٰ سے تائید یافتہ آپ کی خلافت سے منسلک ہے۔“
(خطبہ جمعہ فرمودہ 3/ جون 2011ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 24/ جون 2011ء)

تکمیل اشاعت کے لئے بعثت:

”اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے اس مشن کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے آخری دین کی تکمیل اشاعت کے لئے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح و مہدی اور آنحضرت ﷺ کی کامل پیروی اور اتباع میں غیر شرعی نبی کا اعزاز دے کر دنیا میں بھیجا۔ آپؑ کی ابتدائی زندگی کا ہم جائزہ لیں تو ہمیں آپؑ کی زندگی میں بھی اپنے آقا و مطاع کی زندگی کے ابتدائی دور کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور اس کے بعد بھی ہر لمحہ یہی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ دنیا سے آپؑ کو کوئی سرورکار نہیں تھا۔ اگر کوئی خواہش اور آرزو اور عمل تھا تو یہ کہ خدائے واحد کی عبادت میں مشغول رہوں۔ اپنے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عشق و محبت میں مخمور رہتے ہوئے آپ پر درود و سلام بھیجتا

رہوں اور اس عبادت اور آنحضرت ﷺ سے عشق کا نتیجہ تھا کہ آپ کو مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی حالت زار بے چین کر دیتی تھی جس کے لئے آپؑ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دنیا میں قائم کرنے کا جوش اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ عشق و محبت ہی تھا جس کی وجہ سے آپ اسلام کے دفاع کے لئے جہاں قرآن کریم کا گہرا مطالعہ فرماتے تھے وہاں دوسرے مذاہب کی کتب کا بھی مطالعہ کرکے قرآن کریم کی برتری ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور جہاں بھی آپؑ کو موقع ملتا تھا اسلام کی برتری ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اور کوئی نام و نمود اور دنیا دکھاوا آپؑ کی جوانی کے دور میں بھی ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس کے غیر بھی گواہ ہیں اور اپنے بھی گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کو تو آپؑ کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ عشق و وفا اور دین اسلام کے لئے دِلی دَرد کی کیفیت کا بخوبی علم تھا۔ اس نے آپؑ کو کہا کہ گوشہ تنہائی سے باہر نکلو اور صرف اِکّا دُکّا لوگوں سے اسلام کی برتری کی باتیں نہ کرو۔ صرف اپنے حلقے میں مسلمانوں کی حالت زار بدلنے کی کوشش نہ کرو۔ صرف تحریر سے ہی یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ بلکہ دنیا میں یہ اعلان کردو کہ آنے والا مسیح و مہدی آچکا اور اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ مسیح و مہدی میں ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12/ جون 2009ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 3/ جولائی 2009ء)

حضرت مسیح موعودؑ آخری ہزار سال کے مجدد:

"اسلام کیونکہ آخری شریعت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ ایسا نہیں کیا کہ اس کی تعلیم خشک ہو جائے۔ ہر صدی میں مختلف جگہوں پر مختلف وقتوں میں، اس باغ کو ہرا رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نگران بھیجتا رہا اور اس زمانے میں آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں آخری ہزار سال کا مجدد ہوں۔ پس اسلام کے خوبصورت باغ کا خوبصورت حصہ بننے اور پھلدار درخت بننے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشقِ صادق کے ساتھ جڑنا اب ہر مسلمان کا بھی فرض ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق اب اسی ذریعہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی خوبصورت تعلیم کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی پہنچایا۔ اسی طرح آپ نے اپنے حلقہ بیعت میں آنے والے اپنے صحابہ کے دلوں میں بھی یہ روح پھونکی کہ دنیا کو یہ پیغام دو کہ خدا کی طرف آئیں، اُس سے تعلق جوڑیں اور یہ تعلق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کے ساتھ جڑنے سے ہی حقیقی رنگ میں جڑ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے والے غریب مزدور لوگ بھی تھے، زمیندار بھی تھے، کسان بھی تھے، اَن پڑھ دیہاتی بھی تھے، ملازم پیشہ بھی تھے، کاروباری

لوگ بھی تھے اور پڑھے لکھے لوگ بھی تھے اور ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو سمجھا۔ آپ کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور اس حقیقی پیغام کو، حقیقی اسلام کو سمجھ کر دنیا میں پھیلانے کی کوشش بھی کی۔ اپنے اپنے حلقہ میں پھیلانے کی کوشش بھی کی۔ دوسرے مذاہب پر اسلام کی بالا دستی کا حقیقی ادراک حاصل کیا اور پھر اُن لوگوں میں شامل ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں۔ پس یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پھر بڑی تیزی سے اسلام کے حقیقی پیغام کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باہر بھی پھیلانے کی کوشش کی۔

حضرت منشی قاضی محبوب عالم صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے میاں موسیٰ صاحب کو تبلیغ شروع کی۔ چنانچہ اُن کو قادیان بھیجا مگر وہ شامتِ اعمال سے قادیان سے بغیر بیعت کے واپس آ گئے۔ بعد ازاں مَیں اُن کو کبھی کبھی اخبار بدر سنا تا رہا۔ پھر میں نے اُن کو ایک دن ایک حدیث کا ذکر سنایا کہ ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا آپ خدا کی قَسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قَسم کھا کر کہا کہ میں خدا تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تب اُس بدوی نے بیعت کر لی اور اپنے قبیلے کو بھی بیعت کے لئے حاضر کیا۔ یہ واقعہ جب میں نے حضرت میاں محمد موسیٰ صاحب کو سنایا تو اُن کے دل پر بھی اس کا خاص اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت ایک کارڈ (یعنی اُس زمانے میں خط کے لئے کارڈ ہوتے تھے) حضرت صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کیا آپ خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ یہ کارڈ جب حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے مولوی عبدالکریم صاحب کو حکم دیا۔ لکھ دو کہ میں خدا کی قَسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو دیا۔ اس کارڈ میں مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی طرف سے بھی ایک دو فقرے لکھ دیئے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے خدا کے مسیح کو قَسم دی ہے۔ اب آپ یا تو ایمان لاویں یا عذابِ خداوندی کے منتظر رہیں۔ وہ کارڈ جب پہنچا تو میاں محمد موسیٰ صاحب نے اپنی اور اہل و عیال کی بیعت کا خط لکھ دیا۔ اس طرح سے (کہتے ہیں) میں اب اکیلا نہ رہا بلکہ میرے ساتھ خدا تعالیٰ نے اُن کو بھی شامل کر دیا۔" (رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ جلد 9 صفحہ 137،136 روایت منشی قاضی محبوب عالم صاحبؓ)

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9/ مارچ 2012ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 30/ مارچ 2012ء)

حضرت مسیح موعودؑ کا انکار رسول اللہ ﷺ کا انکار:

”پھر اس بات کو بیان فرماتے ہوئے کہ مسیح موعود کی تکذیب اور انکار کا نتیجہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار تک تمہیں لے جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

”میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ کیونکہ جو میری تکذیب کرتا ہے وہ میری تکذیب سے پہلے معاذاللہ، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا ٹھہرا لیتا ہے۔ جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے باوجود وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:10) کے ان کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا جب کہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ موسوی سلسلہ کی طرح اس محمدیؐ سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم کرے گا۔ مگر اس نے معاذاللہ اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اس وقت کوئی خلیفہ اس اُمّت میں نہیں۔ اور نہ صرف یہاں تک ہی بلکہ اس بات سے بھی انکار کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ مُوسیٰ قرار دیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ معاذاللہ۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اَتم مشابہت اور مماثلت کے لئے ضروری تھا کہ اس چودھویں صدی پر اسی اُمّت میں سے ایک مسیح پیدا ہوتا۔ اسی طرح پر جیسے موسوی سلسلہ میں چودھویں صدی پر ایک مسیح آیا۔ اور اسی طرح پر قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلانا پڑے گا جو وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعہ:4) میں ایک آنے والے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تکذیب لازم آئے گی۔ بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاسِ تک سارا قرآن چھوڑنا پڑے گا۔ پھر سوچو کہ کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے؟ یہ مَیں ازخود نہیں کہتا۔ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھے چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا، وہ زبان سے نہ کرے مگر اپنے عمل سے اس نے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔ اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے“ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ۔ آپ فرماتے ہیں کہ: بیشک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے اور میرے اقرار سے خدا تعالیٰ کی تصدیق ہوتی اور اس کی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اب کوئی اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرأت کرے۔ ذرا اپنے دل میں سوچے اور اس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے؟ اس بات کو مزید کھول کر بیان فرماتے ہوئے کہ تکذیب مسیح موعود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کس طرح مسیح موعود کے انکار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں

تکذیب ہوتی ہے؟ (یعنی مسیح موعود کے انکار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے؟) آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح پر کہ آپ نے جو وعدہ کیا تھا کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا وہ معاذاللہ جھوٹا نکلا۔ پھر آپ نے جو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ فرمایا تھا وہ بھی معاذاللہ غلط ہوا ہے۔ اور آپ نے جو صلیبی فتنہ کے وقت ایک مسیح و مہدی کے آنے کی بشارت دی تھی وہ بھی معاذاللہ غلط نکلی کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا مگر وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی تسلیم کرے گا۔ عملی طور پر کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذّب ٹھہرے گا یا نہیں؟ آپ فرماتے ہیں: پس پھر مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ میری تکذیب آسان امر نہیں۔ مجھے کافر کہنے سے پہلے خود کافر بننا ہوگا۔ مجھے بے دین اور گمراہ کہنے میں دیر ہوگی۔ مگر پہلے اپنی گمراہی اور رُوسیاہی کو مان لینا پڑے گا۔ مجھے قرآن و حدیث کو چھوڑنے والا کہنے کے لئے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑے گا اور پھر بھی وہی چھوڑے گا۔ (یعنی مَیں نہیں چھوڑوں گا۔ وہی چھوڑے گا جو مجھے چھوڑنے والا کہتا ہے۔) آپ کہتے ہیں میں قرآن و حدیث کا مُصدّق و مِصداق ہوں۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں۔ میں کافر نہیں بلکہ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْن کا مصداق صحیح ہوں۔ اور جو کچھ مَیں کہتا ہوں خدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ سچ ہے۔ جس کو خدا پر یقین ہے، جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق مانتا ہے اس کے لئے یہی حجّت کافی ہے کہ میرے منہ سے سن کر خاموش ہو جائے۔ لیکن جو دلیر اور بے باک ہے اس کا کیا علاج۔ خدا خود اس کو سمجھائے گا۔ (آپ یہ سب باتیں ایک آئے ہوئے مہمان کو سمجھا رہے تھے۔) آپ نے فرمایا کہ ”میرے معاملے میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ نیک نیتی اور خالی الذہن ہو کر سوچیں۔“

(ملفوظات جلد4 صفحہ 14 تا 16۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23/مارچ 2018ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 13/اپریل 2018ء)



تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

”الحق مباحثہ لدھیانہ“

اے۔ ولیم

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔“

(”ملفوظات“ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

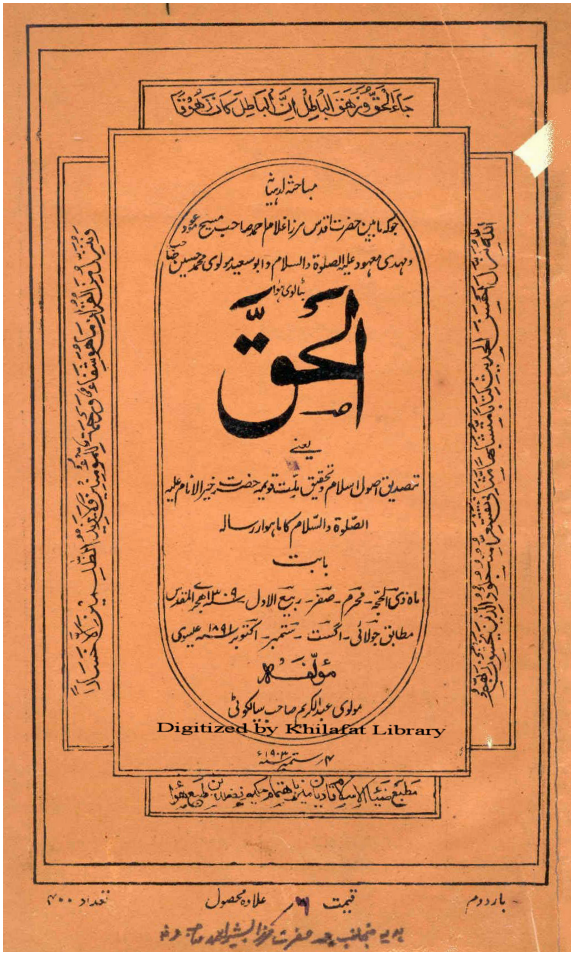
تعارف:

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کا اس وقت کے مشہور اہل حدیث رہنما مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ یہ مباحثہ لدھیانہ انڈیا کے مقام پر ہوا۔ یہ مباحثہ انہی دنوں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ نے ایک محققانہ دیباچہ کے ساتھ سیالکوٹ سے شائع ہونے والے ایک ماہوار رسالہ ”الحق“ میں شائع کروادیا تھا۔ جو اَب روحانی خزائن جلد 4 کے صفحات 1 تا 127 میں شامل ہے۔ مباحثہ لدھیانہ اسی رسالہ ”الحق کی وجہ سے، الحق مباحثہ لدھیانہ کے نام سے بھی معروف ہے۔

مباحثہ کا پس منظر:

اس کا پس منظر یہ ہے کہ جنوری 1891ء کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے رسالہ ”فتح اسلام“ جو پریس میں چھپ رہا تھا پڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو خط لکھا کہ آپ نے اِس میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ ”مسیح موعود جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں اشارۃً اور رسول خدا ﷺ نے اپنے کلامِ مبارک میں جو صحاح میں موجود ہے صراحتًا وعدہ دیا ہے۔ وہ آپ ہی ہیں۔ جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں۔ نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح ابن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہلِ اسلام نے

غلطی کی ہے اور دھوکا کھایا ہے اور اُن احادیث کو جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں غور سے نہیں دیکھا۔”پھر لکھا کہ:۔ “آیا اس دعویٰ سے آپ کی یہی مراد ہے۔ ہاں یا نہ میں جواب دیں۔“



حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 5 فروری 1891ء کو جواباً لکھا:”آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ”ہاں“کافی سمجھتا ہوں۔“(مکتوبات احمد جلد اول۔ مکتوب نمبر5 صفحہ 311 ایڈیشن 2008ء)

11 فروری کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا:”آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضر کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار اور خلاف میں حضرت موسیٰؑ کی طرح مجبور ہوں۔ آپ کے رسائل توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میرے خلاف کو نہیں روکیں گے مجھے یقین ہے کہ نقلی یا عقلی دلائل سے آپ اور آپ کے حواریّین آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ کر سکیں گے۔“

مولوی صاحب نے جوش مخالفت میں بے صبری کے ساتھ جو لکھا یہ بھی نہ سوچا کہ موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو اسی جلد بازی کی بناء پر هَـٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خط کا جواب دیتے ہوئے اسی امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں تحریر فرمایا:”حضرت موسیٰؑ کی جو آپ نے مثل لکھی ہے۔ اشارۃ النص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ موسیٰؑ نے کیا۔ اِس قصّے کو قرآن شریف میں بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارفِ روحانیہ اور عجائبات مخفیّہ کے کھلنے کے شائق رہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح جلدی نہ کریں۔“

لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ قسمت کا مارا ہوا یہ عالم خدا کے ماموروں مرسل کے سامنے کھڑا ہو کر خود ہی اپنی

رسوائی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کو تیار تھا۔ اور ایک لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے بعد مولوی صاحب سے مباحثہ ہونا قرار پایا۔

مباحثہ کا موضوع اور آغاز:

موضوع وفات وحیات مسیح ناصری علیہ السلام تھا۔ اور تحریری مباحثہ تھا۔ جو 20 سے 29 جولائی 1891ء تک یعنی دس روز جاری رہا۔ (آخری پرچہ 31 جولائی کو سنایا گیا تھا) مباحثہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بخاری شریف رکھ لیتے اور قلم برداشتہ لکھتے جاتے جب مضمون تیار ہو جاتا تو پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ مگر ادھر بڑی مشکل سے مضمون تیار کیا جاتا۔ اور بڑی دقت سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنا مضمون تیار کر کے سناتے۔

یہ مباحثہ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان پر ہوتا تھا لیکن بعد کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت اقدس علیہ السلام سے کہا کہ ہم آپ کے مکان پر آتے ہیں آپ ہمارے مکان پر نہیں آتے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام مولوی محمد حسن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ کے مکان پر (جہاں بٹالوی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے) تشریف لے جانے لگے۔ حضورؑ کی سواری کے لئے ایک صاحب منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ محکمہ نہر نے اپنی ٹم ٹم پیش کی لیکن حضور نے فرمایا۔ ہم پیدل ہی جائیں گے۔ جس راستہ سے حضور گزرتے ہندو بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے کہ کس قدر نورانی چہرہ ہے۔ مسلمان کیوں ان کے مخالف ہو گئے ہیں۔

بظاہر یہ مباحثہ جس موضوع پر ہونا طے ہوا تھا وہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی کامیاب چال کے مطابق نہ ہو سکا۔ کیونکہ مولوی صاحب کے پاس حیات مسیح کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ پیش کرتے وہ تو کچھ ایسی شرائط طے کروانے میں خود الجھ کر رہ گئے اور دوسروں کو الجھانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ خدا جانے اس سے ان کی نیت کیا تھی۔ یا وہ واقعی حدیث کو قرآن کے قریب قریب وہ مقام و مرتبہ دینے میں سنجیدہ تھے کہ جو قرآن کے مقام و مرتبہ کے بھی منافی تھا اور آنحضرت ﷺ کی شان کے بھی منافی تھا۔ البتہ اس دس گیارہ روز کی بحث سے جہاں مولوی صاحب کی مبلغ علمی حیثیت کی پردہ دری ہوئی اور ان کی ہٹ دھرمی کا پول عوام الناس کے سامنے بھی کھل گیا۔ وہاں حکم وعدل کی طرف سے قرآن اور حدیث کی بابت ایسے رہنما اصول مل گئے کہ جن کی روشنی میں ہزاروں لاکھوں احادیث اپنے اپنے مقام و مرتبہ پر رکھنے میں نہایت آسانی ہو گئی۔

امر زیر بحث یہ رہا کہ حدیث کا مرتبہ بحیثیت حجتِ شرعیہ ہونے کے قرآن مجید کی طرح ہے یا نہیں اور یہ کہ بخاری اور مسلم کی احادیث سب کی سب صحیح ہیں اور قرآن مجید کی طرح واجب العمل ہیں یا نہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار یہی جواب دیا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ کتاب اللہ مقدّم اور امام ہے۔ جس امر میں حدیثِ نبویہؐ کے

معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطور حجتِ شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے۔ لیکن جو معانی نصوصِ بیّنہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے تو ہم حتّی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کریں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس حدیث کو ترک کر دیں گے۔ **اور ہر مومن کا یہی مذہب ہونا چاہئے کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے۔ ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں۔ کیونکہ قرآن قول فصل، فرقان، میزان اور امام اور نور ہے۔** اِس لئے جمیع اختلافات کے دُور کرنے کا آلہ ہے اور حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہیں اور اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہو تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں۔ پھر حدیثیں دو 2 قسم کی ہیں۔ ایک وہ احادیث جو اعمال و فرائضِ دین پر مشتمل ہیں۔ جیسے نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ یہ تمام اعمال روائتی طور پر نہیں بلکہ اُن کے یقینی ہونے کا موجب سلسلۂ تعامل ہے۔ پس ایسی حدیثیں جن کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک اور دوسری احادیث جو قصصِ ماضیہ یا واقعات آئندہ پر مشتمل ہیں اُن کو مرتبہ ظن سے بڑھ کر تسلیم نہیں کیا جائے گا اور یہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں سلسلۂ تعامل سے کچھ رشتہ اور تعلق نہیں۔ اِن میں سے اگر کوئی حدیث مخالف یا معارض آیت قرآن ہو گی تو وہ قابلِ ردّ ہو گی۔

مگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس موقف کی تردید کرتے چلے گئے اور کہتے گئے کہ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا اور اپنا مذہب یہ بیان کیا کہ صحیحین کی تمام احادیث قطعی طور پر صحیح اور بلا وقفہ و شرط و بلا تفصیل واجب العمل والاعتقاد ہیں۔ اور مسلمانوں کو مومن بالقرآن ہونا یہی سکھاتا ہے کہ جب کسی حدیث کی صحت بقوانین روایت ثابت ہو تو اُس کو قرآن مجید کی مانند واجب العمل سمجھیں۔ جب حدیث صحیح خادم و مفسّرِ قرآن اور وجوب عمل میں مثلِ قرآن ہے۔ تو پھر قرآن اس کی صحت کا حَکم و معیار و محک کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس سُنت قرآن پر قاضی ہے اور قرآن سنّت کا قاضی نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ قرآن مجید "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ۔ (المائدہ:۴) کا تاجِ لازوال اپنے سر پر رکھتا ہے اور تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ۔ (النحل:۹۰) کے وسیع اور مرصّع تخت پر جلوہ افروز ہے۔"

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 106)

آخری پرچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل موضوع مباحثہ یعنی حیات و وفات مسیحؑ سے گریز کر رہے ہیں اور نکمّی اور فضول اور بے تعلق باتوں میں وقت ضائع کیا ہے۔ اب

اِن تمہیدی امور میں زیادہ طول دینا ہر گز مناسب نہیں۔ ہاں اگر مولوی صاحب نفسِ دعویٰ میں جو میں نے کیا ہے بالمقابل دلائل پیش کرنے سے بحث کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔ اور فرمایا کہ:

"میں ان کے مقابل پر اس طور کے فیصلہ کے لئے راضی ہوں کہ چالیس40 دن مقرر کئے جائیں اور ہر ایک فریق اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ پر عمل کر کے خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی خصوصیت اپنے لئے طلب کرے۔ جو شخص اس میں صادق نکلے اور بعض مغیبات کے اظہار میں خدائے تعالیٰ کی تائید اس کے شامل حال ہو جائے وہی سچا قرار دیا جائے۔ اے حاضرین اس وقت اپنے کانوں کو میری طرف متوجہ کرو کہ میں اللہ جلّ شانہ' کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حضرت مولوی محمد حسین صاحب چالیس دن تک میرے مقابل پر خدا تعالیٰ کی طرف توجّہ کر کے وہ آسمانی نشان یا اسرارِ غیب دکھلا سکیں جو میں دکھلا سکوں تو میں قبول کرتا ہوں کہ جس ہتھیار سے چاہیں مجھے ذبح کریں اور جو تاوان چاہیں میرے پر لگا دیں۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ 124، ماخوذ از تعارف روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ xv)

اس مباحثہ کے معاً بعد حضرت اقدس ؑ نے ایک اشتہار واجب الاظہار مولوی محمد حسین صاحب کے مباحثہ کا کیا انجام ہوا؟ کے عنوان سے یکم اگست کو شائع فرمایا۔ یہ اشتہار گویا اس گیارہ روزہ مباحثہ کا ایک اجمالی خلاصہ اور بہترین ریویو بھی ہے۔ اس لئے وہ من و عن یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"اشتہار واجب الاظہار

مولوی محمد حسین صاحب کے مباحثہ کا کیا انجام ہوا؟

عہد را بشکست و پیمان نیز ہم (ترجمہ: اس نے وعدہ توڑ دیا اور پیمان بھی۔ ناقل)

مولوی محمد حسین صاحب کے سوالات کے جواب میں 31 جولائی 1891ء کو بروز جمعہ اس عاجز نے ایک قطعی فیصلہ کرنے والا مضمون سنایا جس کو سنتے ہی مولوی صاحب کے چھکے چھوٹ گئے اور تمام سمجھ دار اور منصف مزاج لوگوں نے معلوم کر لیا کہ مولوی صاحب کا سارا تانا بانا بیک دفعہ ٹوٹ گیا اس لئے مولوی صاحب کو مضمون سننے کی حالت میں بھی دھڑ کا دل میں شروع ہوا کہ اب تو ہمارے اعتراضات کی ساری قلعی کھل گئی۔ ناچار خلاف ورزی شرائط کر کے ان چھوٹے ہتھیاروں پر آ گئے جن کو آج کل کے مولوی ملاں لاجواب ہونے کی حالت میں استعمال کیا کرتے ہیں۔

ناظرین کو واضح ہو کہ مولوی صاحب کے ساتھ تحریری طور پر یہ شرطیں ٹھہر چکی تھیں۔

(1) اوّل یہ کہ فریقین صرف تحریری طور پر اپنا سوال یا جواب لکھیں (2) دوم یہ کہ جب کوئی فریق اپنی تحریر کو سنانے لگے تو فریق ثانی اس کے سنانے کے وقت دخل نہ دیوے اور کوئی بات منہ سے نہ نکالے۔(3) تیسرے یہ کہ بیان سننے کے بعد کوئی فریق زبانی جواب دینا شروع نہ کرے، لیکن افسوس کہ مولوی صاحب نے مضمون سنتے ہی ان تینوں شرطوں کو توڑ دیا اور عہد شکنی کے بعد ایک جوش کی حالت میں کھڑے ہو کر بیجا اور غیر مہذب الفاظ کے مرتکب ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب اپنے نفسانی جذبات کے ضبط کرنے پر ہرگز قادر نہیں۔ ناچار ان کی یہ خطرناک حالت دیکھ کر جلسہ برخاست کیا گیا۔ اور اس قدر لمبی بحث کے بعد جو مولوی صاحب نے اپنے خانہ زاد اصول موضوعہ کی نسبت سراسر لغو اور بے مصرف جاری کر رکھی تھی جو باراں دن تک ہوتی رہی اور اصل بحث سے کچھ بھی علاقہ نہیں رکھتی تھی اور فریقین کے بیانات دس جزو تک پہنچ گئے تھے اور لوگ سخت معترض تھے کہ اصل بحث کیوں شروع نہیں کی جاتی۔ مولوی صاحب کو اس وقت آخری مضمون میں یہ بھی سنا دیا گیا کہ اب ہم تمہیدی بحث کو ختم کرتے ہیں آپ نے بھی بہت کچھ لکھ لیا اور ہم نے بھی۔ اب اس بے سود بحث کو بند کرنا چاہئے اور اصل بحث کو شروع کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اصل بحث کی طرف آویں اس لئے انہوں نے ان شرطوں کو توڑ کر یہ چاہا۔ کہ پھر کسی طرح سخت زبانی کر کے اپنی فضول اور بالائی باتوں کو جن کی طوالت کو اصل بحث سے کچھ بھی تعلق نہیں تھا شروع رکھیں مگر ہم نے صاف جواب لکھ دیا تھا کہ بے فائدہ باتوں میں ہم اپنی اوقات کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ تمہیدی گفتگو بہت ہو چکی ہے۔ اور عنقریب رسالہ الحق سیالکوٹ میں فریقین کے بیانات چھپ جائیں گے۔ تب لوگ خود معلوم کر لیں گے کہ سچ پر کون ہے۔ اب یہ اشتہار صرف اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ اگر مولوی صاحب کی نیت بخیر ہے تو اب بھی اصل مسئلہ میں بحث تحریری کر لیں۔ میرے نزدیک مولوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی بالکل فضول ہے کہ وہ اکابر محدثین کی طرح فن حدیث میں مہارت تمام رکھتے ہیں بلکہ بات بات میں اُن کی ناسمجھی اور غباوت مترشح ہو رہی ہے اگر وہ مجھے اجازت دیں تو میں ان کی حدیث دانی بھی لوگوں پر ظاہر کروں۔

مولوی صاحب سے انصاف کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور کیا امید کی جا سکتی ہے کہ بڑی بُردباری اور غور سے کسی مضمون کو وہ سن سکیں جس صورت میں آپ نے اپنی تہذیب اور معاملہ شناسی کا علیٰ رؤس الاشہاد یہ نمونہ دیا کہ عام لوگوں کی طرح اپنی بیویوں کو طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک ہم نے کوئی حوالہ غلط دیا ہے۔ افسوس مولوی صاحب آغازِ مضمون سے ہی تردیدی نوٹوں کی تحریر میں مصروف ہو گئے اور مضمون کی خوبیوں پر تدبر سے غور کرنے کا انہیں بے قرار اور پُرجوش طبیعت نے ذرہ بھی موقع نہ دیا۔ ورنہ بے سوچے سمجھے

انہیں طلاقوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور یوں عوام میں اپنی مستورہ بیویوں کی ہتک حرمت کے الفاظ منہ سے نکال کر سبکی نہ اٹھاتے۔ اب پبلک کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اب اس کارروائی کی نسبت جو کچھ وہ مشتہر کریں گے محض اپنی بدنامی اور فضیحت کا داغ دھونے کے لئے ایک واویلا اور نوحہ ہو گا۔ یہ اُن کی ساری بیہودہ باتیں ہیں تا عوام پر جو ان کی حقیقت کھل گئی ہے اس پر کسی طرح پردہ پڑ جائے وہ اصل مطلب (حَیَات و مَمَات مسیح) پر میرے ساتھ کیوں بحث نہیں کرتے؟ وہ یقیناً ڈرتے ہیں کہ اگر اصل مسئلہ میں بحث شروع ہو گی تو بڑی رسوائی کے ساتھ انہیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ ہاں ناظرین پر واضح رہے کہ ہم نے اپنے آخری مضمون کی جو 31 جولائی 91ء کو بروز جمعہ پڑھا گیا تھا مولوی صاحب کو نقل نہیں دی کیونکہ مولوی صاحب بباعث ارتکاب جریمہ عہد شکنی و ترک تہذیب اور توڑ دینے تمام شرطوں کے اپنے تمام حقوق کو اپنی ہی کرتوت کی وجہ سے کھو بیٹھے۔ حاضرین جو قریباً تین سو کے موجود ہو گئے تھے جن میں بعض معزز رئیس شہر کے اور صاحبان اڈیٹر اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ اور نور افشاں لودیانہ بھی تھے۔ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ مولوی صاحب بے صبر ہو کر برخلاف شرط قرار یافتہ اس عاجز کے مضمون پڑھتے وقت چپ رہ کر سن نہیں سکتے اور مضمون سننے کے بعد بھی ان کی زبان ان سے رک نہیں سکی اور جوش میں آ کر ان تمام شرطوں کو ایسے بھول گئے کہ گویا ان سب باتوں کے کرنے کے لئے ان کو بالکل آزادی تھی اس بے حواسی کے بے طرح جوش کا یہی سبب تھا کہ مولوی صاحب اپنا 76 صفحہ کا مضمون سنا کر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ لاجواب مضمون ہے بلکہ مغروری کی راہ سے بعض جگہ اپنی فتح کے خط بھی بھیج دیئے تھے۔ اب جو عصائے موسیٰ کی طرح اس عاجز کے مضمون نے مولوی صاحب کی تمام ساحرانہ کارروائی کو باطل کر دیا تو یکدفعہ ان کے دل پر وہ زلزلہ آیا جس کی کیفیت خداتعالیٰ کے بعد وہی جانتے ہوں گے۔ سو یہ تمام حرکات جو ان سے سرزد ہوئیں ایک قسم کی بیہوشی کی وجہ سے تھیں جو اس وقت ان پر طاری ہو گئی تھی بہرحال وہ شرائط شکنی کے بعد اس بات کے مستحق نہ رہے کہ انہیں مضمون 31 جولائی 1891ء کی نقل دی جاتی۔ اور یاد رہے کہ ان کے 76 صفحے کے مضمون میں بجز بے تعلق باتوں اور بدزبانی اور افترا کے اور خاک بھی نہیں تھا۔ اور بدزبانی سے یہاں تک انہوں نے کام لیا کہ ناحق بے وجہ امام بزرگ حضرت فخر الآئمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان بلند میں سخت تحقیر کے الفاظ استعمال کئے۔ بالآخر میں ایک دفعہ پھر حجت پوری کرنے کے لئے بآواز بلند مولوی صاحب کو دعوت کرتا ہوں کہ وہ اصل مسئلہ کے متعلق ضرور بصد ضرور میرے ساتھ بحث کریں۔ مگر یہ بحث لاہور جیسے صدر مقام میں منعقد کی جائے۔ جہاں اعلیٰ درجہ کے فہیم، ذکی، تعلیم یافتہ متین اشخاص اور رؤساء شامل ہو سکتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کو غیر متعلق گفتگو چھیڑنے اور خلط مبحث کرنے اور انہیں بدزبانی اور

خلاف تہذیب کلمات منہ سے نکالنے اور کسی شرط مقررہ کو توڑنے سے روکنے کی بھی طاقت رکھتے ہیں۔ نیز ان میں سے بعض نے یہ درخواست بھی کی ہے۔ امن وغیرہ کا انتظام بھی ہمارے سپرد ہو گا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

ضروری نوٹ: اب مولوی صاحب اپنے کارخانہ کی ترقی کے لئے بہتانوں پر آ گئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک بڑا بہتان یہ لگایا ہے کہ گویا "میں صحیح بخاری اور مسلم کا منکر ہوں" اس کے جواب میں بجز لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہر ایک مسلمان پر واضح رہے کہ مَیں بسر و چشم صحیحین کو مانتا ہوں۔ ہاں کتاب اللہ قرآنِ کریم کو نمبر اوّل اور ان سے مقدّم سمجھتا ہوں۔ مگر بخاری کو اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ یقین رکھتا ہوں اور واجب العمل مانتا ہوں۔ ہاں صرف اتنا کہتا ہوں کہ قرآن کریم کے اخبار اور قصص اور واقعات ماضیہ پر نسخ و زیادت ہرگز جائز نہیں۔

المشتھر خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی یکم اگست 1891ء"

(مجموعہ اشتہارات جلد 1 صفحہ 194 تا 197)

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ع۔ س۔ اختر

قیدیوں کے بارے میں خویش پروری پر اعتراض

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

”مستشرقین اعتراضات کرتے ہیں انہوں نے فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف وغیرہ کے بارے میں اعتراض کیا ہے۔ گو مستشرقین کو کوئی حقیقی بات تو قابلِ اعتراض نہیں ملی البتہ ان کے ایک دو اعتراض ایسے ہیں جن کو مَیں بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ولیم منٹگمری واٹ جو عصرِ حاضر کا مستشرق ہے یہ کہتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ سوائے چند ایک عورتوں کے جو کبار صحابہؓ کو دی گئیں باقی لوٹ کا مال اور قیدی مسعود بن عَمْرُو غِفَارِی کی نگرانی میں جعرانہ میں رکھے گئے۔

Muhammad at Madina by W.Montgomery Watt Page73 Chapter The Battle of Hunayn, The Consolidation of Victory Oxford University Press Karachi 2006

اسی طرح سر ولیم میور لکھتا ہے کہ قیدیوں میں سے تین خوبصورت عورتیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئیں آپ نے ان میں سے ایک حضرت علی، ایک عثمان اور ایک حضرت عمر کو عطا کر دی اور حضرت عمر نے اپنے حصہ والی عورت اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو دے دی۔ باقی دو کے بارے میں معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ بہرحال لکھتا ہے کہ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کا اندرونی علم ہو جاتا ہے کہ آپ ایسی قیدی لڑکیاں ان کو دے رہے ہیں جن میں سے ایک آپ کی بیوی کا والد ہے اور دو آپ کی بیٹیوں کے خاوند ہیں۔

The Life of Mahomet by Sir William Muir page 435 Chapter The Hawazinite Prisoners Released, Mahomet Presents Female Slaves to Ali, Othman and Omar London Smith, Elder, & CO., 15 Waterloo Place 1878

یعنی کہ خویش پروری کی ہے جو پہلے دے دیا۔

پھر اعتراض سے یا شرارت سے ایک واقعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس میں بھی کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ غزوہ حنین کے موقع پر قیدیوں کی اس طرح کی تقسیم جس میں لونڈیوں کو اس طرح دینے کا بیان ہو اس کا

ذکر سیرت حَلَبِیَّہ، طبقات اِبْنِ سَعْد میں نہیں ملتا البتہ مال کی تقسیم کا ذکر ملتا ہے۔ طبقات ابنِ سعد میں لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں کو چھ ہزار قیدی ملے۔ مشرکین مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے اور کہا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ آپ نے ہمارے مال عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جس کے پاس ان میں سے کچھ ہو اور اس کا دل واپس کرنے پر راضی ہو تو یہ راستہ بہتر ہے۔ جو راضی نہ ہو تو وہ ہمیں دے دے یہ ہم پر قرض ہو گا۔ جب ہم کچھ پائیں گے تو یہ قرض ادا کر دیں گے۔ انہوں نے کہا: یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم راضی ہیں اور تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم شاید تم میں سے کوئی ایسا موجود ہو جو راضی نہ ہو جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے لہٰذا تم اپنے نمائندے بھیجو جو ہمارے پاس اسے پیش کریں۔ آپ کے پاس نمائندے پیش کیے گئے کہ وہ لوگ راضی ہیں اور تسلیم کرتے ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء2 صفحہ 118 غزوہ رسول اللہ ﷺ الیٰ حنین دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء)

پہلے غزوۂ حنین کے قیدیوں کے انتظامات اور ان کی رہائی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیمانہ حکمتِ عملی کے بارے میں مستند تاریخوں کے حوالے سے تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اس تاریخی حقیقت سے خود سر ولیم میور بھی بخوبی آگاہ ہے۔ اسی وجہ سے میور اس تفصیل کو باوجود اپنی معترضانہ طرز پر بیان کرنے کے اس سچائی کے اظہار سے رک نہیں سکا۔ وہ لکھتا ہے کہ حنین کے تمام قیدی آزاد کر دیے گئے تھے۔

The Life of Mahomet by Sir William Muir page 435 Chapter The Hawazinite Prisoners Released, Mahomet Presents Female Slaves to Ali, Othman and Omar London Smith, Elder, & CO., 15 Waterloo Place 1878

اس کا یہ بیان بذاتِ خود اس کے اعتراض کی تردید کرتا ہے۔ اس غزوہ کے واقعات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ ابتدا میں قیدیوں کو نگرانی کے لیے صحابہ کے سپرد کیا گیا تھا لیکن ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ انتظامات کو آخری شکل دے کر ان سب کو حضرت مسعود بن عمرو غِفَاری کی زیر نگرانی جعرانہ بھجوا دیا گیا تھا۔ پھر جب طائف سے واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھوازن والوں سے گفت و شنید کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص رحیمانہ حکمتِ عملی کے ساتھ ہر شخص کے سپرد قیدی کو آزاد کروا دیا تھا۔ پہلے بیان شدہ تفصیل میں یہ سب کچھ بیان ہو چکا ہے میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے اور معروف مستشرق منٹگمری واٹ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کیونکہ وہ اسی جگہ لکھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لمبے عرصہ بعد سننے والوں نے ایسے قصوں میں حاشیہ آرائی کی ہے یا ممکن ہے کہ یہ قصے خود ساختہ و خود تراشیدہ ہوں۔

Muhammad At Medina by W.Montgomery Watt page 73 Chapter The Battle of Hunayn, The Consolidation of Victory Oxford University Press Karachi 2006

ایک اور اعتراض مارگولیس نے طائف کے سردار مالک بن عوف نصری کے بارے میں کیا ہے کہ اسے یعنی مالک بن عوف کو جبراً مسلمان بنالیا گیا تھا۔

Mohammed And The Rise of Islam by D.S Margoliouth Page 403 Chapter The Taking of Meccah G.P Putnam's Sons New York and London The Knickerbocker Press Third Edition

مارگولیس کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے اور مستشرقین کے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق عمومی رویہ کی مثال ہے کہ کس طرح اس رحمۃ للعالمین کی شفقت کے واقعہ کو بھی جبر کا رنگ دیا جاتا ہے جس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل سیرت ابن ہشام میں درج ہے کہ جب حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد ھوازن کی رحم کی اپیل قبول فرماتے ہوئے ان کے قیدی اور اموال انہیں واپس کر دیے تو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آپ کو طائف میں موجود سردار مالک بن عوف کا بھی خیال آیا اور آپ نے ان سے پوچھا کہ مالک بن عوف کا تو بتاؤ کہ اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا گیا وہ ثقیف کے ساتھ طائف میں ہے۔ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی رحم کا ایک بار پھر مالک بن عوف کے حق میں مظاہرہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر اسے خبر کرو کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے اہل و عیال اور مال اسے لوٹا دیے جائیں گے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرمایا کہ اسے ایک سو اونٹ بھی دیے جائیں گے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہیں کوئی غرض یا فائدہ مالک بن عوف سے آپؐ کو مطلوب نہیں ہے اور کسی بھی قانون کے تحت مالک بن عوف کے تعلق میں آپؐ ایک ذرّے کے بھی ذمہ دار نہیں ہیں لیکن اپنے ازلی جذبہ رحم کے ساتھ اسے اسلام قبول کرنے کا پیغام بھجواتے ہیں اور اس کے اہل و عیال اور مال اور اونٹ عطا کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

ادھر مالک کے دل میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پہلے ہی گھر کر چکا تھا چنانچہ جب اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ملا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ طائف سے چل کر جعرانہ یا مکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ملے۔ مالک اب مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے اہل اور ان کے اموال اور مزید سو اونٹ عطا فرمائے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرتے وقت انہوں نے اشعار بھی کہے جن میں سے ایک شعر یہ تھا کہ

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٍ

کہ میں نے سب لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا شخص نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ کبھی اس پائے کے شخص کے متعلق سنا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 797 امر اموال ھَوَازِن وسبایاھا... دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء)

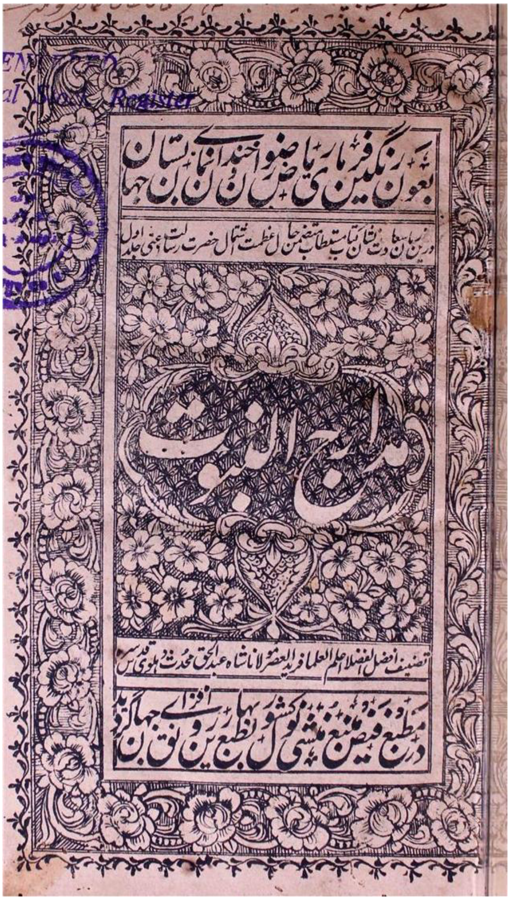
(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 3 اکتوبر 2025ء، الفضل انٹرنیشنل مورخہ 24 اکتوبر 2005ء صفحہ 5 تا 7)

تعارف کتاب:

مَدَارِجُ النُّبُوَّۃ

ش۔ا۔حمید

اس کتاب کا نام مدارج النبوۃ ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب مکمل طور پر سیرتِ رسول ﷺ، آپ کے اخلاق، عادات، شمائل، معجزات، فضائل اور نبوت کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ہے۔ اس کتاب میں شیخ عبد الحقؒ صاحب نے سیرت کو حدیث نبوی ﷺ کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔



یہ کتاب 1269ھ (بمطابق 1814ء) میں فخر المطابع دہلی، اور 1271ھ (بمطابق 1854ء)-1274ھ (بمطابق 1857ء) میں مظہر العجائب پریس سے طبع ہوئی۔ اور 1867ء اور 1880ء میں لکھنؤ سے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کے قلمی نسخے انڈیا آفس بانکی پور، جرمنی، برٹش میوزیم وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس مضمون کو تحریر کرتے وقت میرے سامنے جو نسخہ موجود تھا وہ مطبع فیض منبع منشی نول کشور لکھنؤ کا تھا اس کی پہلی جلد 1294ھ بمطابق 1877ء (563 صفحات) اور جلد دوم 1297ھ بمطابق 1880ء (792 صفحات) میں شائع ہوئی۔ اور اس کے ترجمے کے متعدد ایڈیشنز ہیں لیکن اس مضمون میں مدارج النبوۃ مترجم از مولانا عبد المصطفیٰ محمد اشرف مکتبہ اسلامیہ لاہور جو (2 جلدیں: صفحات 1815) اور مدارج النبوۃ مترجم از غلام معین الدین نعیمی مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز (2 جلدیں: صفحات 1296) کو بطور حوالہ جات کے استعمال کیا۔

تعارف مصنف:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا پورا نام ابو المجد شیخ عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک الدہلوی بخاری تھا۔ آپؒ 958ھ مطابق 1551ء اسلام شاہ سوری کے عہدِ حکومت میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

آپؒ کے آباؤاجداد میں سے آغا محمد ترک 1296ء میں سلطان علاؤالدین کے دورِ حکومت میں بخارا سے ہندوستان ہجرت کرکے آئے۔ دربارِ شاہی میں آغا محمد ترک کو نہایت عزت اور احترام سے خوش آمدید کہا گیا اور انہیں اپنے امراء میں شامل کیا گیا۔ ان کے ایک بیٹے معزالدین سے ان کے خاندان کا سلسلہ چلا۔ اس کے بعد آغا محمد ترک دہلی تشریف لے آئے اور وہیں 739ھ میں ان کی وفات ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی۔ معزالدین کے ایک بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی شہرت پائی ان کے کئی بیٹے تھے ان میں سے ایک شیخ فیروز بڑے نامور تھے اور 860ھ میں کسی معرکہ میں انکی بھی شہادت ہوگئی اور اس وقت ان کی اہلیہ حاملہ تھیں جن کے بطن سے شیخ سعد اللہؒ حضرت شیخ عبد الحق محدثؒ کے دادا پیدا ہوئے۔ شیخ سعد اللہ اپنے زمانے کے بڑے کامل بزرگ تھے ان کا وصال 928ھ میں ہوا اور ان کی وفات کے وقت ان کے دو بیٹے شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین (حضرت شیخ عبد الحقؒ کے والد) تھے۔ جب شیخ سعد اللہؒ کا وصال ہوا تو سیف الدین کی عمر آٹھ برس تھی آپ بچپن سے ہی نیک، متقی اور پرہیزگار تھے اور پورے دہلی میں آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ابتدائی حالات اور تعلیم:۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے زیرِ سایہ ہی حاصل کی۔ اور چھوٹی عمر میں ہی قرآن پڑھ اور حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ایک ہی ماہ کے قلیل عرصہ میں فنِ تحریر سے آپ کی شخصیت مزین ہو گئی تھی۔ اور 13 سال کی عمر میں ہی شرح عقائد اور شرح شمسیہ ختم کرلی تھی اور 16 سال کی عمر تک آپ نے مختصر مطول وغیرہ پڑھ لئے تھے۔ اور 18 سال کی عمر تک آپ نے علومِ عقلیہ و نقلیہ بھی سیکھ لئے تھے۔ اور اس دوران آپؒ نے جید علماء کرام سے بھی اکتساب علم کیا۔ ان میں شیخ عبد الوہاب متقی اور شیخ علی متقی سرِ فہرست ہیں۔

مکہ معظمہ کی طرف سفر:

آپ کو عشقِ الٰہی اور عشق رسول ﷺ وراثت میں ہی ملا تھا اسی عشق و وفا میں آپؒ نے 996ھ مطابق 1587ء جب آپؒ کی عمر 38 سال کی تھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سفر اختیار کیا اور قریباً 3 برس کا عرصہ آپؒ وہیں مقیم رہے اور اس دوران آپؒ نے بخاری و مسلم کے دروس بھی وہاں کے محدثین سے لئے اور وہاں پر حضرت شیخ

عبد الحقؒ نے شیخ عبد الوہاب متقی سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ مکہ مکرمہ میں حج کا فریضہ بھی سر انجام دیا اور اسے دوران آپؒ کو 4 مرتبہ نبی کریم حضرت خاتم النبین، افضل الرسل، فخر المرسلین ﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ 21 ذوالحجہ 998ھ کو مکہ معظمہ میں جو ایک خواب دیکھا اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں اور جمال وجلال کے وہ انوار ان کے چہرہ مبارک سے چمک رہے ہیں جن سے زیادہ تصور ہی نہیں کئے جاسکتے۔"

اور 1000ھ میں آپؒ واپس ہندوستان آ گئے۔

وفات:

آپؒ 21 ربیع الاول 1052ھ بمطابق 1642ء میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور۔ آپؒ کا نمازِ جنازہ آپ کے فرزندِ ارجمند شیخ نور الحق نے پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپؒ کو قطب صاحب واقع دہلی میں حوضِ شمسی کے کنارے مدفون ہیں۔

مسلک:

آپؒ فقہ حنفیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپؒ کی تصانیف:

شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ کی تصانیف عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہیں اور ان کی تعداد 100 سے زائد بتائی جاتی ہے۔ جن میں مشہور و معروف چند ایک کتب ذیل مین درج ہیں:۔

1۔ مدارج النبوۃ (آپ ﷺ کی مکمل حیات طیبہ کا اس کتاب میں ذکر ہے اور رسولِ کریم ﷺ کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔)

2۔ اخبار الاخیار فی احوال الابرار (اس کتاب میں شیخ صاحب نے ہندوستان کے علماء و مشائخ کے حالات و واقعات درج کئے ہیں۔)

3۔ زبدۃ الآثار منتخب بھجۃ الاسرار (بھجۃ الاسرار شیخ نوالدین ابو الحسن کی کتاب ہے شیخ ساحب نے اس کتاب کا خلاصہ زبدۃ الآثار کے نام سے کیا ہے۔ اس کتاب مین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔)

4۔ آداب الصالحین (حضرت امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم کے چند ابواب کا فارسی میں خلاصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب دینی علوم، عبادات، اخلاق اور روحانی اصلاح کو شریعت و طریقت کے توازن کے ساتھ بیان کرتی ہے۔)

5۔ آداب اللباس(اس رسالہ میں آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع میں لباس کے متعلق بحث کی ہے اور مکروہ و ممنوع لباس کی تفصیل بیان کی ہے۔)

6۔ اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ(حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح کی اور یہ شرح 6 سال کی محنت کے بعد مکمل ہوئی کیا۔)

7۔ شرح سفر السعادات(سفر السعادات ،مولانا مجد الدین کی قاموس کی کتاب ہے اس میں رسول مقبول ﷺ کی وہ احادیث ہیں جو عبادات، احوال و معاش سے متعلق جمع کی گئی۔ اس کتاب کی افادیت کے مدِ نظر شیخ صاحب نے اس کی شرح لکھی۔)

8۔ ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ (اس کتاب مین ماہ محرم سے لیکر ماہ ذی الحجہ تک کے ان تمام مذہبی مناسک کا تفصیلی ذکر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں)۔

9۔ توصیل المرید الی المراد بہ بیان(اس رسالہ میں روزانہ کے ذکر و اذکار ،سالک کے معمولات ،ذکر کے آداب وطریق اور اخلاص، حضورِ قلب اور اعتدال کی تعلیم بیان کی گئی ہے۔)

10۔ شرح فتوح الغیب(اس کتاب میں شیخ صاحبؒ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب کی شرح کی ہے۔ فتوح الغیب میں قرآن و حدیث کے مسائل کو تصوف کی نظر سے بیان کیا ہے۔)

11۔ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین(اس رسالہ میں شیخ صاحبؒ نے شریعت اور طریقت کے درمیان ہم آہنگی کو واضح کیا ہے، فقہ اور تصوف میں ظاہر و باطن کی یکجائی بیان کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حقیقی تصوف قرآن و سنت کے مطابق ہوتا ہے۔)

12۔ نکات الحق والحقیقۃ(اس کتاب میں تصوف کے مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے۔)

13۔ فتح المنان فی مناقب النعمان(اس کتاب میں شیخ صاحب نے احادیث کو عنوانات کے تحت بیان کیا ہے پھر چاروں ائمہ کے منضبط کئے ہوئے مسائل بیان کئے ہیں اور آخر پر محاکمہ کر کے ائمہ کے مأخذ اور منشاء کو بیان کیا ہے اورامام ابو حنیفہ کے مأخذ کو دیگر ائمہ کے مأخذ پر ترجیح دی ہے۔)

14۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب(اس کتاب میں فارسی میں مدینہ منورہ کی تاریخ درج ہے۔)

15۔ تالیف قلب الالیف(اس کتاب میں شیخ صاحبؒ نے آغاز پر دہلی کے بعض مصنفین اور شعراء کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنی تصانیف کی فہرست بھی دی ہے۔)

اس کے علاوہ بھی آپؒ کی بہت سی کتب ہیں جو علم تفسیر، حدیث، تصوف، سیر ، تجوید، اخلاق، نحو، اعمال،

ذاتی حالات، عقائد، فلسفہ و منطق، خطبات، فقہ، مکاتیب اور اشعار پر مشتمل ہیں۔ ایک ہی قلم سے مختلف انواع کے مضامین کی تصانیف کو دیکھ کر آپؒ کی علمی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

یک چراغ است دریں خانہ واز توپر تو آں   ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

ترجمہ: اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اور اس کا نور تجھ سے ہی ہے، جہاں کہیں بھی تو نظر ڈالتا ہے ایک محفل قائم ہو جاتی ہے۔

نوٹ: اس تمام تعارف کے لئے درج ذیل کتب سے معاونت لی

1۔ مدارج النبوۃ مترجم جلد اول ابتدائی صفحات تعارف مصنف از مولانا عبد المصطفیٰ محمد اشرف مکتبہ اسلامیہ لاہور

2۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی صفحہ 47 تا 70، 93، 98، 115 مکتبہ رحمانیہ لاہور

3۔ حدائق الحنفیہ از مولوی فقیر محمد جہلمی صفحہ 430 تا 432 مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور

4۔ مشاہیر مشرق از نظامی بدایونی صفحہ 338 ناشر تخلیقات لاہور

5۔ الاعلام قاموس تراجم از خیر الدین الزرکلی الجزء الثالث صفحہ 280 مکتبہ دار العلمہ للملایین بیروت

مدارج النبوۃ کتاب کا تعارف

جیسا کہ مضمون کے آغاز پر ذکر کیا گیا ہے کہ کتاب مکمل طور پر سیرتِ رسول ﷺ، آپ کے اخلاق، عادات، شمائل، معجزات، فضائل اور نبوت کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے۔

کتاب کے اہم مضامین:

اس کتاب کے اہم مضامین نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک، نسب اور ولادت، بچپن اور جوانی کے حالات، اعلانِ نبوت اور مکی دور، ہجرت اور مدنی زندگی اور اہم واقعات، اخلاق و شمائلِ نبوی، معجزات اور خصوصیات، ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت، صحابہ کرام کے فضائل، وصالِ مبارک اور بعد کے حالات۔

منہج کتاب:۔

اس کتاب کو شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) قسم اول:۔ یہ قسم فضائل و کمالات، اخلاق وصفات کے بیان میں ہے۔

(2) قسم دوم:۔ یہ قسم نسب وولادت کے بیان میں ہے۔

(3) قسم سوم:۔ یہ وقائع سنوات از ابتدا ھجرت تا وفات تک کے بیان میں ہے۔

(4) قسم چہارم:۔ یہ قسم حدوث مرض و غسل و تکفین وغیرہ کے بیان میں ہے۔

(5) قسم پنجم:۔ یہ قسم اولاد طاہرہ و ازواج مطہرہ کے بیان میں ہے۔

ہر قسم کے مختلف ابواب باندھے ہیں مثلاً قسم اول کے ہی 11 ابواب ہیں اور اسی طرح باقی قسموں کے بھی ابواب کی تقسیم ہے۔

قسم اول کے ابواب:۔ اس قسم میں 11 ابواب

بابِ اول: بیانِ حسنِ خلقت و جمالِ صورت ﷺ

اس باب میں آپ ﷺ کے جسمانی اوصاف، حسنِ صورت، اعتدالِ قامت اور نورانیت کا بیان۔ مثلاً:

حضرت کعبؓ والی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر جب شکن پڑتی تو آپ کا چہرہ انور پارۂ قمر کی مانند چمکنے لگتا۔ (مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 16 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ دوم: اخلاقِ عظیمہ و صفاتِ کریمہ ﷺ

اس باب میں آنحضرت ﷺ کے حلم، عفو، تواضع، سخاوت، شجاعت اور صدق و امانت اور حسن معاشرت جیسے اخلاقِ نبوی کا بیان۔ مثلاً ایک حدیث آپ ﷺ کے صبر کی یہ بیان کی گئی کہ:۔

کسی نبی کو اتنی ایذاء نہ پہنچائی گئی جتنی مجھے دی گئی۔

(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 58 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اور حسن معاشرت میں حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کی خلوت کی کیا حالت تھی۔ فرمایا آپ لوگوں میں سب سے زیادہ نرم گفتار اور بہت زیادہ متبسم و خوش اطوار تھے اور کسی نے کبھی بھی آپ کو اپنے صحابہ کے درمیان قدم مبارک دراز کرتے نہ دیکھا اور آپ کے صحابہ میں سے کوئی یا آپ کے اہل خانہ میں سے کوئی آپ کو مخاطب کرتا تو آپ لبیک (حاضر ہوں) کہہ کر جواب دیتے۔ (مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 65 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ سوم: بیان فضل و شرف نبوی ﷺ

اس باب میں آنحضرت ﷺ کے ان فضل و شرف کا بیان ہے جو آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں مذکور ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس باب میں حضور نبی کریم ﷺ کی وہ خصوصیات اور امتیازات بیان کیے جاتے ہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ تمام مخلوقات بلکہ جملہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ فضیلت ذاتی کمالات، منصبِ رسالت، ختم نبوت، اور آخرت میں عطا ہونے والے مخصوص مقامات کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کے وجود

رسالت، شفقت اور آپ کی رحمت کی خبر کو آغاز ہی میں اس آیت سے ظاہر کیا ہے کہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔(التوبہ:128)

ترجمہ: بیشک تم میں سے ہی وہ رسول تشریف لایا جس کو تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری فلاح کے خواہشمند مسلمانوں کے ساتھ بہت مہربانی و رحمت کا سلوک کرنے والا ہے۔

(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 95 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ چہارم: تورات وانجیل میں بشارتِ رسول ﷺ

اس باب میں سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں کا بیان ہے اور ان پیشگوئیوں کا ذکر ہے جن سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم و توقیر ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً:۔ ایک روایت کو شیخ محدث دہلویؒ لے کر آئے ہیں کہ: حضرت موسیٰؑ نے جو تورات کی تختیوں میں امتِ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً 70 صفات کو پڑھا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

”اے خدا! اس امت کو میری امت بنادے“ فرمان باری آیا کہ ”اے موسیٰ! اس امت کو تمہاری امت کیسے بناؤں وہ امت تو نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے“ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا ”اے رب! تو مجھے ہی امت محمدیہ میں بنادے“ اس پر حق تعالیٰ نے انہیں اپنے اس ارشاد میں دو خوبیاں مرحمت فرمائی چنانچہ فرمایا ”اے موسیٰ! میں نے تمہیں لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ برگزیدہ فرمایا تو تم لو جو میں نے تمہیں دیا اور شکر گزاروں میں ہو جاؤ۔“ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا ”اے خدا میں اس پر راضی ہو گیا۔“

(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 145 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ پنجم: مشترکہ فضائل انبیاء ورسول ﷺ

اس باب میں وہ کمالات جو دیگر انبیاء میں متفرق تھے اور حضور ﷺ میں جامع صورت میں پائے گئے۔ مثلاً:

حضرت آدم علیہ السلام کا یہ فضیلت عطا فرمائی گئی کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی گئی لیکن ہمارے نبی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا گیا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کے شرح صدر کا متولی و کارساز ہوا ہے اور اس میں یہ ایمان و حکمت رکھا اس طرح حق تعالیٰ آدم کے خلق وجود کا متولی اور ہمارے نبی حبیب خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق نبوی کا اور آدم کا مسجود ملائک ہونا درحقیقت حضرت آدم کے جوہرِ روح میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیت کرنے کے سبب سے تھا اور اس نور مبارک کو ان کی پیشانی میں تاباں کیا گیا اور اس عظمت و شرافت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا گیا۔ بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

سجدہ کرنے میں حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شامل نہ تھا کیونکہ بجائے خود حق سبحانہ وتعالیٰ پر یہ جائز نہیں ہے لیکن سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجنے میں حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شامل ہے لا محالہ یہ فضیلت اشرف واتم اور اکمل واعلیٰ ہیں نیز فرشتوں کے سجدہ کرنے میں عظمت واشرافت زیادہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک بار واقع ہوا لیکن صلوۃ وسلام بھیجنے میں حق تعالیٰ کے رحمت کے انوار اور اس کے سارے قدس کا افاضہ ہر زمانے میں نوبہ نو دائم ومستمر ہے اور اس میں مسلمانوں کو بھی اس طرح کے عمل کا حکم دیا گیا ہے۔

(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 161 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اس کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محدث دہلوی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ کہ وہ پتھر سے پانی رواں فرما دیتے اور پتھر سے چشمہ برآمد کرتے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی انگشت ہائے مبارک سے چشمہ جاری فرما دیا پتھر تو زمین ہی کی جنس سے ہے اور اس سے چشم باہر ہی کرتے ہیں لیکن اس کے بر خلاف گوشت پوست سے پانی کا چشمہ جاری کرنا حد درجہ عظیم ہے۔

(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 162 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ ششم: معجزاتِ نبوی ﷺ

اس باب میں آپ ﷺ کے معجزات (خوارقِ عادات امر) کا ذکر۔ مثلاً اس باب کے اندر شیخ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف معجزات کا ذکر کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے صادر ہوئے جس میں سے ایک معجزے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر سخت بھوک کے آثار دیکھے ہیں تو میری بیوی نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع کے قریب جو تھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ تھا میں نے اسے ذبح کیا بیوی نے جو کا آٹا پیسا گوشت بنا کر دیگچی میں چڑھا کر نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے جو کا آٹا پیسا ہے حضور اپنے چند صحابیوں کو لے کر میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں حضور اکرم ﷺ نے با آواز بلند فرمایا جابر نے کھانا تیار کیا آؤ ان کے یہاں چلیں پھر حضور ﷺ نے حضرت جابر سے فرمایا میرے پہنچنے تک دیگچی کو چولہے سے نہ اتارنا اور گوندے ہوئے آٹے کو یونہی رکھنا پھر حضور ایک ہزار صحابہ کے ساتھ تشریف لائے ہم آٹے اور دیگچی کو حضور کے ملاحظہ میں لائے حضور نے اپنا لعاب دہن مبارک ان میں ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی اور میری بیوی سے فرمایا روٹی پکاؤ اور کسی ایک عورت کو

بھی اپنے ساتھ ملالو اور دیگچی سے گوشت نکالتے رہو مگر اس میں جھانک کر نہ دیکھنا وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ان ہزار آدمیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور دیگ میں بدستور گوشت جوش مار رہا تھا اور آٹا بھی باقی تھا۔
(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 162 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اسی طرح اس باب میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تمام معجزات کا ذکر ہے جس میں حیوانوں سے کلام کرنا، معجزہ شق القمر اور انگشت مبارک سے پانی کا نکلنا اور کئی اور معجزات۔

باب ہفتم: اسماءِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اس باب میں قرآن وحدیث میں مذکور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مختلف اسماء اور ان کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔ آغاز پر ہی ایک حدیث مبارکہ کو بیان کیا ہے کہ:

إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا المَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الكُفْرَ، وَأَنَا الحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا العَاقِبُ ۔(صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ من بعدی اسمہ احمد حدیث:4896)

بلاشبہ میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ محو کرے گا اللہ میرے ذریعہ کفر کو اور میرا نام حاشر ہے کیونکہ میرے قدم پر لوگ اٹھائے جائیں گے اور گھیر کر لائے جائیں گے اور میرا نام عاقب ہے۔
(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 337 تا 339 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کثیرہ اور خصائص جلیلہ کتب سابقہ اور حدیث مبارکہ مذکور ہیں چنانچہ مصطفیٰ، مجتبیٰ، ابو القاسم، شفیع، امام المتقین، طاہر، مہیمن، صادق، مصدوق، سید ولد آدم، سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین، حبیب اللہ وغیرہ اسماء وصفات حدیث کریم مذکور ہیں اس کے علاوہ کتب سابقہ میں بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فارقلیط جو حق وباطل کے مابین فرق کرے اور کتب سابقہ میں آپ کا اسباب اسماء میں حمطایا بمعنی حامی الحرم اور آپ کا اسم شریف بزبان سریانی مسفح اور تورات میں آپ کا اسم شریف اخید ہے اس کے معنی صاحب سیف ہیں۔
(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 340 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

باب ہشتم: عالم آخرت کے مخصوص درجات اور فضائل وکمالات

اس باب میں قیامت کے دن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مخصوص مقامات جیسے شفاعتِ کبریٰ، حوضِ کوثر کا بیان ہے۔ مثلاً:۔ شیخ محدث دہلوی ایک حدیث کو نقل کرتے ہیں جو حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جبکہ وہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے اور میں بشارت دینے والا ہوں

گا جبکہ وہ ناامید ہوں گے لواء حمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہو گا اور اپنے پروردگار کے نزدیک میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔ (مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 340 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ نہم: حقوق وواجباتِ نبوت ﷺ

اس باب میں امت پر لازم محبت، اطاعت، تعظیم اور درود و سلام کا بیان۔ آغاز میں آیات قرآنیہ سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ امت پر کس طرح آپ ﷺ کی تعظیم فرض ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا۔ (التغابن: 8) (تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا) اور فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (الفتح: 9،10) (بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)۔۔۔ ان آیات کو بیان کر کے شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان آیات کریمہ سے حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا واجب و متعین ہیں اور اس وقت تک ایمان کی حقیقت نہ تو مکمل ہو گی نہ اسلام صحیح ہو گا اور نہ ایمان و اسلام کا حصول درست ہو گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان اور آپ کے رسالت کی شہادت کا اقرار نہ کیا جائے۔
(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 371 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

بابِ دہم: انواعِ عبادات نبوی کے بیان میں

اس باب میں آپ ﷺ کی نماز، روزہ، تہجد، ذکر و دعا اور عبادات کے اعتدالی اسوہ کا بیان۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کی عبادات کا ذکر کرتے ہوئے نوع (قسم) اول میں طہارت کو رکھا ہے کہ عبادت سے پہلے کس طرح آپ ﷺ صفائی و پاکیزگی کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ یعنی شیخ محدث دہلویؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ ہر نماز سے پہلے وضو کرتے ... اسی طرح آپ ﷺ کا معمول تھا کہ وضو سے پہلے مسواک کرتے۔
(مدارج النبوۃ مترجم غلام معین الدین نعیمی صفحہ 430 تا 431 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اسی طرح ہی آپ ﷺ کی عبادات، ذکر و اذکار کو بھی اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

بابِ یازدہم: آنحضرت ﷺ کے کھانے پینے، پہننے، نکاح کرنے اور سونے کے بیان میں

اس باب میں آپ ﷺ کے کھانے پینے، لباس، نکاح، سونے جاگنے اور روزمرہ معمولات کا ذکر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قسم دوم کے ابواب:

اس قسم میں چار ابواب ہیں

بابِ اول: نسبِ شریف، ایامِ حمل وولادت ورضاعت ﷺ

اس باب میں آباء و اجداد، ولادتِ باسعادت اور حضرت حلیمہؓ کے پاس رضاعت کو روایات کی نظر میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

بابِ دوم: کفالتِ انتقال، ابو طالب وعبد المطلب کی اعانت

اس باب میں آپ ﷺ کی پیدائش، بچپن اور جوانی میں سرپرستی اور حفاظت کا ذکر۔

بابِ سوم: وحی کا آغاز، واقعاتِ بعثت

اس باب میں آپ ﷺ کا غارِ حرا، نزولِ وحی اور ابتدائی دعوتِ اسلام کا بیان ہے کہ کس کس طرح یہ تمام واقعات رونما ہوئے۔

بابِ چہارم: قضیہِ ہجرت ﷺ اور ابتدائی واقعات

اس باب میں مکہ سے مدینہ ہجرت اور قیامِ مدینہ کے ابتدائی حالات وواقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

قسم سوم کے ابواب:

اس قسم میں 10 ابواب ہیں۔ ان ابواب میں 1 ہجری تا 10 ہجری کے واقعات کو سنوات کے حساب سے بیان کیا گیا ہے۔

قسم چہارم کے ابواب:

اس قسم میں تین ابواب ہیں۔ ان ابواب میں آنحضرت ﷺ کے مرض تا رحلت تک کے تمام واقعات کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض کا آغاز، اس مرض کے دوران آپ ﷺ کی کیا حالت تھی، صحابہؓ کی خدمت کے دوران کیا مناظر پیش آئے، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کون سے اقوال و ارشادات سامنے آئے۔ یہ حصہ مرض کے دوران آپ ﷺ کی روحانی حالت، دعاؤں اور آپ ﷺ کی رضا مندی کو واضح کرتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات، تجہیز و تکفین، تقسیم میراث اور حیات انبیاء کا مضمون بیان ہوا ہے۔

قسم پنجم کے ابواب:

اس قسم میں گیارہ ابواب ہیں۔ ان ابواب میں امہات المومنین، آنحضرت ﷺ کی اولاد، آپ ﷺ کی عشاق صحابہ کرام کی زندگی، نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کی زندگی، موالی (مدینۃ المدینہ کے حمایتی)، آپ ﷺ کے ان جانثار صحابہ کا ذکر ہے جو حفاظت پر مامور تھے، کاتبانِ وحی، سفراء اور قاصد، آپ ﷺ کی روزمرہ

سنتیں، معاشرتی و عملی معمولات کا ذکر ہے۔ مؤذن، خطیب، شاعر، حدی خوان، اسلحہ و آلاتِ حرب کے بارے میں امور (غزوات میں استعمال ہونے والے ہتھیار، زرہیں اور دیگر سامانِ حرب) کا بیان ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں خود بھی مختلف درجات کی روایات جمع کی ہیں، یہ کتاب جامعِ روایات ہے، نہ کہ صرف صحیح روایات کی کتاب۔

شاہ عبدالحقؒ سیرت کو حدیث کے ذیل میں رکھتے ہیں۔ یعنی آپؐ واقعات، فضائل اور اوصاف احادیث کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں۔ مثلاً بابِ حسنِ خلقت ﷺ میں حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔

(مدارج النبوۃ مترجم مفتی غلام معین الدین صفحہ 15 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اس کتاب میں صرف روایت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آپؒ حدیث کی شرح بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہوئے ابی ہالہ کی روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو چودھویں کے چاند کی مانند قرار دیا ہے اسکو بیان کر کے آپ لکھتے ہیں کہ ”اور جمال جہاں آرا صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کے مقابلے میں چاند سے تشبیہ دینے کی ترجیح میں اہل سیر فرماتے ہیں کہ چاند چونکہ اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت بخشتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے دل کو انس ولذت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اس کی طرف نظر کرنا ممکن ہے بخلاف آفتاب کے۔ کہ وہ آنکھوں کو خیرہ کرتا اور دل کو ذوق نہیں پہنچاتا ہے۔ ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عظیم الصفات کو سطوت وجلالت میں آفتاب سے تشبیہ اور فروات عالم میں آپ کے نور وظہور کو اور ذات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنہ حقیقت کے عدم ادراک اور دور ونزدیک سے آپ کے فضل وکمال کی انتہا کے مطالعہ میں افہام وعقول کے عاجز ودرماندہ رہ جانے کی وجہ سے آفتاب سے تشبیہ دی جاسکتی ہے“

(مدارج النبوۃ مترجم مفتی غلام معین الدین صفحہ 17 مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ظاہری سیرت کو بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے باطنی کمالات کو بھی بیان کیا ہے اور جسمانی اوصاف، اخلاق، عبادات اور روحانی مقامات سب کو ایک مربوط پیرائے میں پیش کیا ہے۔

واقعات کو تاریخ کے طور پر نہیں بلکہ محبت، ادب اور اتباع کے طور پر بیان کرتے ہیں مثلاً ہجرت کا مکمل واقعہ بیان کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ کامل توکل اسباب کے ترک کا نام ہے۔

سیرت النبی ﷺ کو عملی نمونہ کے طور پر اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے مثلاً بابِ عاداتِ نبوی ﷺ میں سادہ کھانا، زمین پر بیٹھنا بیان کر کے کہتے ہیں عزت سادگی میں ہے، تکلف میں نہیں۔

نوٹ: منہج کتاب ”مدارج النبوۃ مترجم مفتی غلام معین الدین مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور“ سے اخذ شدہ ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ تصنیف مدارج النبوۃ کا ذکر حضرت امام حکم و عدلؑ کی کتب میں:

حضرت شیخ محدث دہلویؒ کی کتاب مدارج النبوۃ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اس کے بعض حوالہ جات کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں بعض مقامات پر نقل کیا ہے اور اس سے استنباط کیا ہے مثلاً

حضرت مسیح موعودؑ نے اس غلط نظریے کا تدارک کرتے ہوئے کہ روح القدس آنحضرت ﷺ پر خاص وقتوں میں نازل ہوتا تھا آئینہ کمالاتِ اسلام میں ایک مقام پر مدارج النبوۃ کا حوالہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

”چند اقوال پر اِس مضمون کو ختم کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالح کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ روح القدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص خاص وقتوں پر نازل ہوتا تھا اور دوسرے اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے نعوذ باللہ بکلی محروم ہوتے تھے از انجملہ وہ قول ہے جو شیخ عبد الحق محدّث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوّۃ کے صفحہ 42 میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ملائک وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دائمی رفیق اور قرین ہیں“ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 117)

پھر ایک نظریہ کہ جبرائیل کا آسمان سے اترنا تمثیلی طور پر ہے یا ظاہری طور پر اس کے ذیل میں بھی حضورؑ نے مدارج النبوۃ کا حوالہ ایک جگہ نقل کیا ہے چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

”جبرائیل علیہ السلام اپنے تمثلی وجود سے ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر دم اور ہر طرفۃ العین انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اپنے اصلی وجود کے ساتھ تو آسمان پر ہی ہے اور اِسی مذہب کی تصدیق اور تصویب شیخ عبد الحق محدّث دہلی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ کے صفحہ 45 میں کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ نزول جبرائیل بارے میں اب تک دریافت کیا ہے وہ سب یقینی ہے ہمیں تو اُن کے اکثر معلومات کا ظنّی مرتبہ ماننے میں بھی شرم آتی ہے کیونکہ اب تک اُن کے خیالات میں بے اصل اور بے ثبوت باتوں کا ذخیرہ بڑھا ہوا ہے... شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اسی مذہب کی تصدیق اور تصویب کی ہے کہ جبرائیلؑ وحی لے کر آسمان سے اپنے وجود اصلی کے ساتھ اترتا نہیں بلکہ وہ ہمیشہ آسمان پر اپنی قرار گاہ میں ثابت اور قائم رہتا ہے ہاں اُس کی تمثلی صورت بقدرت حق تعالیٰ نمودار ہو جاتی ہے اور اس کی تبلیغ وحی کرتی ہے۔“ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 119)

رسول کریم ﷺ کا ذوق خوشبو

ذ۔ک۔خاں

اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے۔ قرآن وحدیث میں جسم، لباس اور ماحول کی صفائی کی بارہا تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔(المدثر:5،6) ترجمہ: اور جہاں تک تیرے کپڑوں کا تعلق ہے تُو (انہیں) بہت پاک کر۔ اور جہاں تک ناپاکی کا تعلق ہے تو اس سے کلیّۃً الگ رہ۔

پھر فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔(الاعراف:32) ترجمہ از تفسیر صغیر: اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے قریب زینت (کے سامان) اختیار کر لیا کرو۔

پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔(البقرہ: 223) ترجمہ: اللہ ان سے جو اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں یقیناً محبت کرتا ہے اور (ظاہری و باطنی) صفائی رکھنے والوں سے (بھی یقیناً) محبت کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ
(جامع الترمذی، ابواب الدعوات حدیث 3519)

ترجمہ: یعنی صفائی (وپاکیزگی) نصف ایمان ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”خدا کا کلام حکمت کے طریقوں سے انسان کو ترقی کے منار تک پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے شرم نہیں کرتا کہ انسان کو جو انسانیت سے گرا ہوا ہے ظاہری ناپاکیوں سے بھی چھڑائے جیسا کہ وہ باطنی ناپاکیوں سے چھڑاتا ہے اُس نے اپنی پاک کلام میں انسانوں کو دونوں قسم کی پاکیزگی کی طرف ترغیب دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔(البقرہ:223) یعنی خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور اُن کو بھی دوست رکھتا ہے جو جسمانی طہارت کے پابند رہتے ہیں۔ سو توابین کے لفظ سے خدا تعالیٰ نے باطنی طہارت اور پاکیزگی کی طرف توجہ دلائی اور اَلْمُتَطَهِّرِيْنَ کے لفظ سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی ترغیب دی۔ اور اس آیت سے یہ مطلب نہیں کہ صرف

ایسے شخص کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے کہ جو محض ظاہری پاکیزگی کا پابند ہو بلکہ توابین کے لفظ کو ساتھ ملا کر بیان فرمایا تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لئے اکمل اور اتم محبت جس سے قیامت میں نجات ہو گی اسی سے وابستہ ہے کہ انسان علاوہ ظاہری پاکیزگی کے خدا تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرے۔ لیکن محض ظاہری پاکیزگی کی رعایت رکھنے والا دنیا میں اس رعایت کا فائدہ صرف اس قدر اٹھا سکتا ہے کہ بہت سے جسمانی امراض سے محفوظ رہے۔ اور اگرچہ وہ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت کا نتیجہ نہیں دیکھ سکتا مگر چونکہ اُس نے تھوڑا سا کام خدا تعالیٰ کی منشا کے موافق کیا ہے یعنی اپنے گھر اور بدن اور کپڑوں کو ناپاکیوں سے پاک رکھا ہے اس لئے اس قدر نتیجہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ بعض جسمانی بلاؤں سے بچا لیا جائے بجز اس صورت کے کہ وہ کثرت گناہوں کی وجہ سے سزا کے لائق ٹھہر گیا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے یہ حالت بھی خدا تعالیٰ میسر نہیں کرے گا کہ وہ ظاہری پاکیزگی کو کما حقہ بجالا کر اس کے نتائج سے فائدہ اُٹھا سکے۔ غرض بموجب وعدہ الٰہی کے محبت کے لفظ میں سے ایک خفیف اور ادنیٰ سے حصہ کا وارث وہ دشمن بھی اپنی دنیا کی زندگی میں ہو جاتا ہے جو ظاہری پاکیزگی کے لئے کوشش کرتا ہو۔ جیسا کہ تجربہ کے رو سے یہ مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں کو خوب صاف رکھتے اور اپنی بدررووں کو گندہ نہیں ہونے دیتے اور اپنے کپڑوں کو دھوتے رہتے ہیں اور خلال کرتے اور مسواک کرتے اور بدن پاک رکھتے ہیں اور بدبو اور عفونت سے پرہیز کرتے ہیں وہ اکثر خطرناک وبائی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں پس گویا وہ اس طرح پر يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ کے وعدہ سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ طہارت ظاہری کی پروا نہیں رکھتے آخر کبھی نہ کبھی وہ پیچ میں پھنس جاتے ہیں اور خطرناک بیماریاں اُن کو آ پکڑتی ہیں۔ اگر قرآن کو غور سے پڑھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم نے یہی چاہا ہے کہ انسان باطنی پاکیزگی اختیار کر کے رُوحانی عذاب سے نجات پاوے اور ظاہری پاکیزگی اختیار کر کے دنیا کے جہنم سے بچا رہے جو طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔"

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 336 تا 338)

پھر ایک اور جگہ فرمایا:

"وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ (المدثر:6) کا حکم ہے۔ ہر ایک پلیدی سے پرہیز رکھنا چاہیے۔ کپڑے صاف ہوں۔ جگہ ستھری ہو۔ بدن پاک رکھا جائے۔ یہ ضروری باتیں ہیں" (ملفوظات جلد 9 صفحہ 145)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ احادیث نبوی ﷺ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْإِيْمَانِ کہ صفائی رکھنا ایمان کا جزو ہے۔"

پھر فرماتے ہیں: "اَخْرِجُوا مِنْدِيْلَ الْغَمَرِ مِنْ بُيُوْتِكُمْ فَإِنَّهُ مَبِيْتُ الْخَبِيْثِ وَ مَجْلِسُهُ۔

(کنزالعمال 41497) کہ وہ دستر خوان جس کو چکنائی لگ گئی ہو اسے اپنے گھروں سے نکال کر باہر پھینک دو کیونکہ وہ خبیث چیز ہے اور گندگی کا مقام ہے یعنی اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں، کیڑے آتے ہیں اور بیماریاں ترقی پکڑتی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ آج کل لوگ نیکی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کپڑے کو اُس وقت تک نہ دھویا جائے جب تک کہ وہ پھٹ نہ جائے۔" (سیرۃ النبی ﷺ از حضرت مصلح موعودؓ جلد 4 صفحہ 412-413)

ان تمام آیات، احادیث اور اقتباسات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ظاہری صفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے نمونے سے صحابہ کو اس پر عمل کر کے دکھایا جس میں سے ایک پہلو صفائی کے ساتھ ساتھ خوشبو کا استعمال بھی ہے خوشبو کی محبت انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اس مضمون میں رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے محبت، اس کے استعمال کے آداب، اور اس کے مستحب اور ممنوع مواقع کا ایک جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر کئی احادیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود خوشبو کو پسند فرماتے اور اس کے استعمال کی تلقین فرماتے۔

آنحضور ﷺ کا پاک و مطہر وجود اور خوشبو استعمال فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں نے کوئی عنبر اور مشک اور نہ ہی کوئی اور چیز رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ عمدہ پائی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے مَس سے زیادہ نرم کوئی چیز کبھی چھوئی، نہ دیباج، نہ ریشم۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب رائحۃ النبیؐ ولین مسہ... حدیث: 2330)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہمارے ہاں ہی آپ نے قیلولہ فرمایا۔ آپ کو پسینہ آنے لگا میری ماں ایک شیشی لائی اور اس میں حضور کا پسینہ جمع کرنے لگی۔ حضور ﷺ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبیؐ والتبرک بہ حدیث: 2331)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو (اس وقت) جو بہترین خوشبو آپ کو میسر ہوتی اسے لگاتے اس کے بعد میں (آپ کے احرام باندھنے کے بعد) آپ کے سر اور داڑھی میں (خوشبو کے) تیل کی چمک دیکھتی۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث: 2838، سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، حدیث: 2702)

حضرت مصلح موعودؓ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سر میں تیل یا خوشبو لگانا بھی آپ ﷺ کی عادت میں داخل تھا۔ آپ ﷺ کا جسم بہت نازک اور ملائم تھا۔ آپ کے جسم میں سے خوشبو آتی تھی“(سیرت النبی ﷺ از حضرت مصلح موعودؓ جلد 1 صفحہ 58)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”روایت آتی ہے کہ آپ کے جسم میں سے تو ہر وقت خوشبو آتی رہتی تھی۔ جیسے حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک دفعہ میرے گال پر ہاتھ پھیرا تو آپ کے ہاتھ سے میں نے ایسی اعلیٰ درجہ کی خوشبو محسوس کی جیسے وہ ابھی عطار کی صندوقچی سے باہر نکلا ہو۔ (مسلم کتاب الفضائل باب طیب رائحۃ النبی اللہ) یعنی جو شخص عطر بناتا ہے اس کا جوڈبہ جس میں عطر پڑے ہوتے ہیں جس طرح اس میں سے ہاتھ نکالا ہو۔“

(خطبہ فرمودہ مورخہ 23 اپریل 2004ء، خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 268)

اسی طرح آپ کو بدبو سے نفرت تھی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت گراں گزرتا ہے کہ آپ ﷺ سے بو آئے۔“

پھر فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سیاہ چادر رنگی تو آپ نے اس کو پہنا پھر جب اس میں پسینہ لگا اور اون کی بو محسوس کی تو اس کو اتار دیا۔

(سنن ابو داوٗد، کتاب اللباس باب فی السواد حدیث:4074)

رسول اللہ ﷺ خوشبو کے تحفے کو پسند فرماتے:

اسلام میں تحفے کی قبولیت کو پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، اور خوشبو کا تحفہ ایک لطیف اور نفیس چیز ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خوشبو کے تحفے کو قبول کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب الھبۃ و فضلھا والتحریض علیھا باب مالا یرد من الھبۃ حدیث:2582)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ریحان (خوشبو دار پھول یا ٹہنی) دی جائے تو وہ اسے مسترد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکی اور خوشبو میں عمدہ ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا، حدیث:5883)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”پھر صفائی کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے کو بھی بہت پسند فرمایا ہے اور اس

تحفے کو بھی بڑا پسند کیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں کوئی دوست بطور تحفہ خوشبو دے تو اسے قبول کرو اور اسے استعمال کرو۔"
(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 23 اپریل 2004ء خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 268)

رسول اللہ ﷺ کی مستعمل خوشبوئیں:

عرب کے معاشرے میں بھی آجکل کی طرح مردوں اور عورتوں کی الگ الگ خوشبوئیں تھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو اور رنگ چھپا ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور مہک چھپی ہو۔
(سنن نسائی، کتاب الزینۃ من السنن، حدیث: 5120)

روایات میں رسول اللہ ﷺ کے زیرِ استعمال ان خوشبوؤں کا ذکر ملتا ہے:

المسک (مشک)۔ الذریرۃ۔ عنبر۔ کافور۔ عود

المسک (مشک / کستوری) MUSK

مشک خوشبو کی ایک اعلیٰ قسم ہے اس کو اردو میں کستوری بھی کہا جاتا ہے اور انگریزی میں اس کا نام Musk ہے۔ نبی کریم ﷺ اس خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور قربانی کے دن بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی جس میں مشک ملی ہوتی تھی۔
(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الطیب للمحرم عند الاحرام، حدیث: 1191)

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگاتے تھے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہاں، مردانہ خوشبو: مشک اور عنبر۔ (سنن نسائی، کتاب الزینۃ من السنن، حدیث: 5119)

ایک اور روایت میں ذکر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمدہ ترین خوشبو مشک ہے۔
(سنن نسائی، کتاب الجنائز، حدیث: 1906)

ایک روایت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مشک جنتیوں کے پسینے کی خوشبو ہو گی۔
(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ... حدیث: 3245)

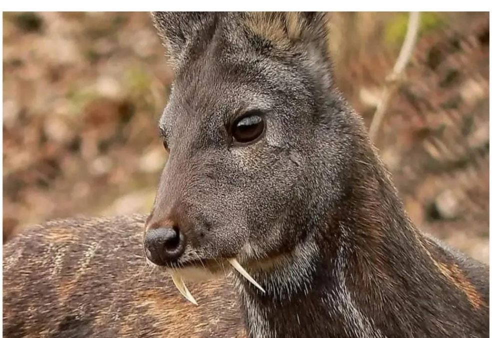
ایک روایت میں آتا ہے کہ مومن کی روح کی خوشبو مشک ہوتی ہے جب اس کی وفات ہوتی ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ... حدیث: 2872)

روایت میں آتا ہے کہ مشک خوشبوؤں میں سب سے اچھی اور افضل خوشبو ہے۔
(صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرہا، باب استعمال المسک وانہ اطیب الطیب...)

مشک کے متعلق لکھا ہے کہ:

"مشک خوشبو کی ایک قسم ہے یہ فارسی خوشبو ہے جسے عرب 'المشموم' کہتے تھے۔ یہ ہرن کی ایک قسم سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے ایک یا دو سینگ ہوتے ہیں اور نچلے جبڑے میں باریک سفید دانت نکلے ہوتے ہیں۔ مشک دراصل اس ہرن کا خون ہے جو اس جانور کے جسم سے اس کی ناف میں جمع ہوتا ہے، جیسے جسم کے دوسرے اعضا میں مواد جاتا ہے۔ ہر سال ایک وقت میں ناف میں ورم پیدا ہوتا ہے اور اس میں گاڑھا سیاہ مادہ جمع ہو جاتا ہے، جس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ چرنا اور پانی پینا چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ناف سے الگ ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ان ہرنوں کو شکار کر کے ذبح کیا جاتا ہے اور ان کی ناف بالوں سمیت لی جاتی ہے، جس میں تازہ مادہ ہوتا ہے۔ کبھی ناف میں زیادہ مادہ ہوتا ہے اور کبھی کم۔ پھر کئی ہرنوں کا مادہ جمع کر کے اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا ہے اور خاص پتوں سے سی دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ پر چالیس دن لٹکایا جاتا ہے، پھر دوسری جگہ لٹکایا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل خشک ہو جائے اور اس کی خوشبو تیز ہو جائے۔ پھر اسے چھوٹے تھیلوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔"
(نهاية الأرب في فنون الأدب، از شہاب الدین احمد النویری، جلد 12 صفحہ 4،3، القسم الخامس مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2004ء)

مشک کی کئی قسمیں اور مختلف اجناس ہیں، اور یہ اقسام دراصل مختلف ملکوں، چراگاہوں اور ماضی میں ذرائع نقل وحمل کے فرق کی وجہ سے ہے۔ بالعموم مشک کی اقسام کے نام ان جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جن کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ آج کل یہ نایاب ہے کیونکہ اب ان ہرنوں کے شکار کی پابندیاں ہیں۔







رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس کو تیل میں شامل کر کے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو طب میں بھی مختلف امراض کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

آج کل اس کو پرفیوم انڈسٹری میں الکوحل اور تیل میں ڈال کر اس کا عطر یا پرفیوم بنایا جاتا ہے۔

الذریرۃ(Acorus):



www.wikipedia.org/ wiki/ Acorus

یہ خوشبو کی ایک مرکب قسم ہے۔اس کے اجزاء کو جمع کیا جاتا ہے، پھر کوٹ کر باریک چھانا جاتا ہے، پھر بالوں اور ہار (گردن کے زیور) پر چھڑکا جاتا ہے، اسی لیے اسے ذریرہ کہا گیا۔اس قول کے مطابق ہر مرکب خوشبو کو ذریرہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ذریرہ ایک مخصوص خوشبو بھی ہے جسے اہل حجاز اور دیگر لوگ جانتے تھے۔اور کئی علماء نے، جن میں امام نوویؒ(شارح صحیح مسلم) بھی شامل ہیں،نے یہ بات کہی ہے کہ ذریرہ دراصل خوشبودار قصب (ایک قسم کا پودا) کا باریک سفوف ہے جو ہندوستان سے لایا جاتا ہے۔

(فتح الباری از ابن حجر کتاب اللباس باب الذریرۃ صفحہ 455 دارالسلام الریاض 2000ء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام کھولنے اور احرام باندھنے کے لیے ذریرہ (نامی) خوشبو لگائی۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الطیب للمحرم عند الاحرام)

العنبر (عنبر) Amber

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگاتے تھے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہاں، مردانہ خوشبو: مشک اور عنبر۔

(سنن نسائی، کتاب الزینۃ من السنن، حدیث:5119)

عنبر دراصل پتھر نہیں بلکہ درختوں کا گوند نما پانی ہے جو صدیوں میں جم کر سخت ہو جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر Baltic سمندر کے کناروں پر ملتا ہے، مگر میکسیکو اور Dominican Republic میں بھی پایا جاتا ہے۔اس کا رنگ عام طور پر نارنجی بھورا اور نیم شفاف ہوتا ہے، لیکن کچھ نایاب قسمیں بھی ہیں جیسے سفید "Bone amber" یا نیلا عنبر۔















چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر "امبروئیڈ" بنایا جاتا ہے، لیکن اس میں جوڑ صاف نظر آتے ہیں۔ مصنوعی

عنبر بھی بنایا جاتا ہے، مگر اصلی عنبر کی خوبصورتی الگ ہی ہے۔ عنبر کو تراش کر زیورات، تسبیحیں بنائی جاتی ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ اسے علاج کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ افسردگی کم کرتا ہے، سانس کی بیماریوں میں فائدہ دیتا ہے، ناک سے خون روکنے میں مدد کرتا ہے۔

عطر سازی میں "عنبر" ایک خاص مشرقی خوشبو کے لیے بولا جاتا ہے، جو پہلے زیادہ تر عنبر (Ambergris) سے حاصل کی جاتی تھی۔ یہ ایک مومی خوشبودار مادہ ہے جو عنبر مچھلی کے نظامِ ہضم میں بنتا ہے۔ چونکہ یہ مچھلی اب نایاب ہے اور معدومیت کے خطرے میں ہے، اس لیے آج کل یہ خوشبو زیادہ تر مصنوعی طور پر یا ایک پودے کے گوند نما پانی "لیبڈ نیم" سے لی جاتی ہے۔

(MATERIALS ENCYCLOPEDIA FOR CREATIVES by Élodie Ternaux (Ed.)page 22)

"المعجم الوسیط میں آیا ہے کہ یہ ایک سخت مادہ ہے جس کا نہ ذائقہ ہے نہ خوشبو، مگر جب اسے کوٹا یا جلایا جائے تو خوشبو دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہے جو حوت کی قسم سے ہے، وہی یہ مادہ خارج کرتا ہے۔"

(نھایۃ الأرب فی فنون الأدب، از شہاب الدین احمد النویری، جلد 12 صفحہ 10 تا 13، القسم الخامس مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2004ء)

عنبر کو زیورات میں نگینہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو کُوٹ کر یا جَلا کر اس کا صفوف خوشبوؤں میں بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا ہے۔

عود: OUD

رسول اللہ ﷺ کو تمام خوشبوؤں میں مشک اور عود سب سے زیادہ محبوب تھے۔ (زاد المعاد)

"یہ خوشبو کی ایک قسم ہے جس سے دھونی کی جاتی ہے عود ایک بڑا درخت ہے جس کی خوشبو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ پرانا ہو جائے، تراشا جائے اور چھلکا اتارا جائے، اور یہ درخت کے قلب (اندرونی حصہ) سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کی بیرونی سفید لکڑی کاٹ کر نکالی جاتی ہے اور پھر اسے مٹی میں کئی سال دفن کیا جاتا ہے تاکہ زمین اس کے اندرونی حصے کو کھا لے اور صرف عود باقی رہ جائے جس پر زمین اثر نہیں ڈالتی۔ عود کی کئی قسمیں ہیں جنہیں 'الألوۃ' کے نام سے جمع کیا جاتا ہے۔ یہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس سے



عود کا درخت (Agarwood)

www.wikipedia.org/wiki/Agarwood

دھونی لی جاتی ہے، کبھی اکیلا اور کبھی دوسری خوشبوؤں کے ساتھ۔"
(نھایۃ الأرب فی فنون الأدب، از شہاب الدین احمد النویری، جلد 12 صفحہ 14، 15، القسم الخامس مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2004ء)


عود

عود ایک خوشبو دار لکڑی ہے جو درخت کے اندرونی حصے سے حاصل ہوتی ہے، اسے پرانا اور خشک کر کے تیار کیا جاتا ہے، پھر دھونی کے طور پر اکیلا یا دوسری کسی خوشبو کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ آجکل بھی اس کو دھونی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور پرفیوم میں بھی دوسرے اجزاء کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔

الکافور (کافور) Camphor


کافور (Camphor)
wikipedia.org/wiki/Camphor

کافور کا استعمال خاص طور پر جراثیم کش مادے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اسکو بطور خوشبو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب دھونی لیتے تو عود کی دھونی لیتے جس میں کوئی اور چیز کی آمیزش نہ ہوتی یا کافور کی جس میں عود ڈال لیتے تھے۔ پھر کہتے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی یہ دھونی لیتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا، حدیث: 2254)

مُردوں کو لگانے کے لئے بھی استعمال کی جاتی تھی جس سے دوہرے فائدے ہوتے کہ جراثیم کش بھی تھی اور خوشبو بھی۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی ﷺ کی ایک بیٹی فوت ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے تین یا پانچ بار پانی اور بیری کے پتوں سے نہلا دو، اور آخری غسل میں کافور ملا دو۔ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوئہ بالماء والسدر حدیث: 1253)

اس جگہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس فوت شدہ کو جو حالت احرام میں فوت ہو جائے خوشبو نہ لگانے کا حکم دیا۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"مسلمان کو مَرتے وقت کافور کا استعمال کرنا سنّت ہے۔ یہ اس لئے کہ کافور ایسی چیز ہے جو وبائی کیڑوں کو مارتی اور سمّیّت کو دور کرتی ہے۔" (ملفوظات جلد 1 صفحہ 231 ایڈیشن 2022ء)

”کافور ایک درخت ہے۔ اس سے ایک شفاف، بلور نما مادہ حاصل کیا جاتا ہے جو سفیدی مائل رنگ کا ہوتا ہے، خوشبودار ہوتا ہے اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں، جیسے قیصوری، ریاحی، آزدی، اسفرل اور نیلا (ازرق)۔“
(نهاية الأرب في فنون الأدب، از شہاب الدین احمد النویری، جلد 12 صفحہ 72، القسم الخامس مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2004ء)

”کافور ایک خوشبو ہے جو ہند اور چین کے سمندری پہاڑوں کے درخت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا لکڑی سفید اور نازک ہوتی ہے، اور اس کے اندرونی خلا میں کافور پایا جاتا ہے۔“ (القاموس المحیط زیر لفظ ہذا)

یہ ادویات میں بھی بطور اینٹی بیکٹیریل کسی قدر مقدار میں استعمال ہوتی ہے اور اس کو خوشبو کے طور پر بھی کسی اور خوشبو کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔

وہ مواقع جہاں خوشبو کے استعمال کی تلقین کی گئی:

جمعہ اور عیدین کے موقع پر:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عید کا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اسے عید کا دن قرار دیا ہے، لہٰذا جو کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے، اور اگر خوشبو میسر ہو تو لگا لے، اور تم لوگ اپنے اوپر مسواک کو لازم کر لو۔
(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب ماجاء فی الزینۃ۔۔۔ حدیث: 1098)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”پس یاد رکھو کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مستلزم ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ کم از کم جمعہ کو غسل کرو۔ ہر نماز میں وضو کرو۔ جماعت کھڑی کرو تو خوشبو لگالو۔ عیدین میں اور جمعہ میں خوشبو لگانے کا جو حکم ہے وہ اسی بنا پر قائم ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہے۔ پس غسل کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمّیّت اور عفونت سے روک ہوگی۔“ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 231 ایڈیشن 2022ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک صفائی کر سکتا ہے صفائی کرے اور تیل لگائے اور اپنے گھر میں موجود خوشبو میں سے کچھ لگائے، پھر نماز کے لئے نکلے تو اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ باب الدھن للجمعۃ) تو یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خوشبو لگا کر مسجد میں جاؤ تاکہ اس کے بندوں کو، ساتھ بیٹھے ہوؤں کو تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو بھی خوشبو اور صفائی پسند ہے۔ یہ

نہیں کہ اس حکم کے مطابق تیار ہو کر جمعہ پڑھ لیا اور سارا ہفتہ اس کے بندوں کو تکلیف دیتے رہے تو گناہ بخشے گئے۔ عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے، اس حدیث کو بھی سامنے رکھنا ہو گا نیت نیک ہو تب ثواب بھی ملتا ہے۔“

(خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 268)

احرام باندھتے اور کھولتے وقت خوشبو کا استعمال:

رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث کی بنیاد پر فقہاء اربعہ کے نزدیک یہ ایک متفقہ فیصلہ ہے کہ حالت احرام میں خوشبو کا استعمال منع ہے۔ طوالت کے ڈر سے اس جگہ اس بحث کو نہیں بیان کیا جا سکتا۔ البتہ ایک حدیث اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے اور احرام کھولنے کے بعد خوشبو لگایا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھنے اور کھولنے کے وقت خوشبو لگایا کرتی تھی، اس سے پہلے کہ آپ احرام باندھیں اور اس سے پہلے کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں (یعنی احرام کھولنے کے بعد 10 ذوالحجہ کو جو طواف زیارت کرنا ہوتا ہے) (صحیح مسلم، کتاب الحج) اور وہ خوشبو مشک اور ذریرۃ ہوتی تھی۔

(سنن نسائی کتاب المناسک۔ صحیح البخاری کتاب اللباس)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

”محرم کے لئے سلے ہوئے کپڑے یعنی قمیص شلوار پاجامہ یا کوٹ وغیرہ پہننا، سر کو ڈھانپنا، جرابیں پہننا، خوشبو لگانا، خوشبو دار رنگوں سے رنگے کپڑے پہننا...... یہ سب امور ناجائز ہوتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 244 ایڈیشن 2023ء)

عورتوں کا خوشبو استعمال کرنا

نبی کریم ﷺ نے خوشبو کا استعمال عورتوں اور مرد دونوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں عورتیں خوشبو استعمال کرتی تھیں اور آپؐ نے اسے مستحب قرار دیا ہے البتہ بعض مواقع پر عورتوں کو خوشبو استعمال نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جیسا کہ خاوند کی وفات کے بعد عدت کے دوران عورت کو خوشبو لگانے سے منع فرمایا۔

نیز بعض روایات میں آتا ہے کہ عورت خوشبو لگا کر باہر نہ جائے وغیرہ اس ضمن میں یہ واضح رہے کہ اوّل تو بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس میں ایسی روایات نہیں ہیں نیز ممکن ہے کہ اس طرح کی روایات میں بعد کے راویوں کی وجہ سے نفس مضمون میں مبالغہ آمیزی یا شدت پسندی کا رجحان غالب آ گیا ہو۔ وگرنہ ایسی مناہی نہیں۔

حدّ اعتدال کے اندر رہتے ہوئے مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے مضمون واحد ہے۔ اس طرح کی روایات کے پس منظر میں کسی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ایک سوال لکھ کر بھیجا جس کا جواب حضور انور نے دیا جو ہم سب کے لئے ایک رہنما اصول ہے۔

”کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ”حدیث میں آتا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔ جبکہ آجکل تو خواتین خوشبو لگاتی ہیں، پھر اس حدیث کی تشریح کیا ہو گی؟“ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 مارچ 2023ء میں درج ذیل ہدایت فرمائی۔

حضور نے فرمایا: ”جہاں تک عورتوں کے خوشبو لگانے کی بات ہے تو حضور ﷺ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن خوشبو لگاؤ، چاہے اپنی بیوی کی خوشبو میں سے کچھ لے کر لگا لو۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ بَاب الطِّيبِ وَالسِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت کو خوشبو لگانے کی اجازت نہیں تھی تو عورتیں گھروں میں اپنے لیے خوشبو کیوں رکھتی تھیں؟ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اس کی بیٹی کی شادی پر درخت کی ایک شاخ کے ساتھ اپنے بازوؤں سے پسینہ اکٹھا کر کے ایک شیشی میں ڈال کر دیا اور اسے ہدایت فرمائی کہ جب اس کی بیٹی خوشبو لگانا چاہے تو اس شاخ کو شیشی میں ڈال کر اس خوشبو کو استعمال کر لیا کرے۔

(المعجم الأوسط للطبراني باب الالف من اسمه ابراهيم)

پس عورتوں کے خوشبو لگانے کی واضح ممانعت مستند احادیث میں بیان نہیں ہوئی اور جن احادیث میں عورتوں کے خوشبو لگانے کی ممانعت آئی ہے، ایسی احادیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج نہیں کیا۔

پھر یہ بات بھی ہمیں مد نظر رکھنی چاہیے کہ تمام احادیث حرف بحرف صحیح نہیں ہیں اور بعض احادیث میں بیان احکام موقع اور محل کے اعتبار سے تھے اس لیے یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی خاص قسم کی خوشبو سے کسی کو الرجی ہو اور اس خوشبو کے استعمال سے کسی عورت کو منع کیا گیا ہو۔ (الفضل 12 اکتوبر 2024ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرزِ تحریر کی تقلید کرو

از افاضات حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

ابو الماہد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے حضرت اقدس علیہ السلام کے طرزِ تحریر کا ذکر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے دنیا میں جو بہت سی برکات ظاہر ہوئی ہیں ان میں سے **ایک بڑی برکت آپ کا طرزِ تحریر بھی ہے۔** جس طرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے الفاظ جو ان کے حواریوں نے جمع کئے ہیں یا کسی وقت بھی جمع ہوئے ان سے آپ کا خاص طرز انشاء ظاہر ہوتا ہے اور بڑے بڑے ماہرین تحریر اس کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اسی طرح **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرز تحریر بھی بالکل جداگانہ ہے اور اس کے اندر اس قسم کی روانی، زور اور سلاست پائی جاتی ہے کہ باوجود سادہ الفاظ کے باوجود اس کے کہ وہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جن سے عام طور پر دنیا ناواقف نہیں ہوتی** اور باوجود اس کے کہ انبیاء کا کام مبالغہ، جھوٹ اور نمائشی آرائش سے خالی ہوتا ہے اس کے اندر ایک ایسا جذب اور کشش پائی جاتی ہے کہ جوں جوں انسان اسے پڑھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے الفاظ سے بجلی کی تاریں نکل نکل کر جسم کے گرد لپٹتی جارہی ہیں۔

اور جس طرح جب ایک زمیندار گھاس والی زمین پر ہل چلانے کے بعد سہاگہ پھیرتا ہے تو سہاگہ کے ارد گرد گھاس لپٹتا جاتا ہے **اسی طرح معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر انسانوں کے قلوب کو اپنے ساتھ لپیٹتی جارہی ہے اور یہ انتہاء درجہ کی ناشکری اور بے قدری ہوگی اگر ہم اس عظیم الشان طرزِ تحریر کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے طرزِ تحریر کو اس کے مطابق نہ بنائیں۔**

میں تو عام طور پر دیکھتا ہوں کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر دنیا اس طرزِ تحریر کو قبول کرتی جارہی ہے جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اردو میں کتابیں لکھنی شروع کیں اس وقت تحریر کا رنگ ایسا تھا کہ آج اسے پڑھنا اور برداشت کرنا سخت مشکل ہے۔ مگر آہستہ آہستہ زمانہ کی تحریر بھی اسی رنگ میں ڈھل گئی جس رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ڈھالا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ سلسلہ کے نوجوان مصنف اور محرر اپنی

تحریریں اس رنگ میں لکھتے ہیں جو اس زمانہ کے اوباشانہ مصنفوں سے تو مشابہت رکھتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر سے مشابہت نہیں رکھتا۔

میں کئی ایک کی تحریروں کو جب دیکھتا ہوں تو وہ ایسی ہوتی ہیں کہ اگر نیچے سے نام کاٹ دیا جائے تو میں بے تکلفی سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی تحریر ہے مگر اپنے ذہن کو انتہائی ڈھول میں ڈال کر بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کے رنگ میں ہے کیونکہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ایک کے اندر ایک رنگ کی چستی تو نظر آئے گی مگر روحانیت نہیں ہوگی، ہنسی اور استہزاء کا پہلو تو ہوگا سنجیدگی اور وقار نہیں ہوگا **مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر پرزور ہونے کے علاوہ سنجیدگی اور وقار سے باہر نہیں جاتی۔** پرانے زمانہ میں کبھی کبھی آپ نے دوسروں کے اشعار بھی نقل کئے ہیں مگر ایسے برجستہ کہ شوخی نام کو نہیں بلکہ درد اور سوز کو قائم رکھا ہے۔

پس میں اپنی جماعت کے مضمون نگاروں اور مصنفوں سے کہتا ہوں کسی کی فتح کی علامت یہ ہے کہ اس کا نقش دنیا میں قائم ہو جائے۔ پس جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نقش قائم کرنا جماعت کے ذمے ہے۔ آپ کے اخلاق کو قائم کرنا اس کے ذمہ ہے، آپ کے دلائل کو قائم رکھنا ہمارے ذمہ ہے، آپ کی قوت قدسیہ اور قوتِ اعجاز کو قائم کرنا جماعت کے ذمہ ہے، آپ کے نظام کو قائم کرنا جماعت کے ذمہ ہے **وہاں آپ کے طرزِ تحریر کو قائم رکھنا بھی جماعت کے ذمہ ہے** اور یہ مصنفوں اور مضمون نگاروں کا کام ہے۔باقی جماعتیں تو اپنی ذمہ داریوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایک حد تک ان پر کاربند بھی ہیں۔ مگر مصنف اور مضمون نگار ابھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

چاہیئے کہ ہماری تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگین ہوں تا آئندہ یہ سلسلہ ایسے رنگ میں جاری ہو کہ یہ بھی آپ کی ایک نشانی سمجھی جائے۔عیسائیت کا طرزِ تحریر ساری دنیا سے جداگانہ ہے اور عیسائی لٹریچر کی بنیاد انجیل پر ہے۔عیسائی سکولوں میں اناجیل کے بعض حصے ایسے رنگ میں پڑھائے جاتے ہیں کہ نوجوانوں کو اس طرزِ تحریر اور زبان سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

ہمارے مضمون نگاروں اور مصنفوں کو بھی چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کو ایسے رنگ میں پڑھیں کہ اس طرز کی نقل کر سکیں۔اور اس لٹریچر کی نقل کرنے کی کوشش نہ کریں جس میں شوخی اور ہنسی کا پہلو ہو تا کہ وہ دو خدمتیں بجالانے والے ہوں۔ایک خدمت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل کے قیام کی اور دوسری آپ کے طرزِ تحریر کو جاری کرنے کی۔موجودہ صورت میں وہ ایک رنگ میں تو خدمت کر رہے ہیں۔یعنی سلسلہ کے دلائل کو قائم کر رہے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ تحریر کو چھوڑ

کر دوسرے رنگ میں حملہ کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے عمل سے بتا رہے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ تحریر نہیں بلکہ مولوی ثناء اللہ وغیرہ کا طرزِ تحریر قابل تقلید ہے جس میں دوسروں کو گالیاں دینا یا تھوڑی دیر کے لئے ہنسا لینا مدّ نظر ہوتا ہے۔

پس ہمارے اخبار نویسوں، رسالہ نویسوں اور کتابیں لکھنے والوں کو چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ تحریر کی نقل کریں۔ میں نے ہمیشہ یہ قاعدہ رکھا ہے خصوصاً شروع میں جب مضمون لکھا کرتا تھا۔ پہلا مضمون جو میں نے تشحیذ میں لکھا وہ لکھنے سے قبل میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کو پڑھا تا اس رنگ میں لکھ سکوں اور آپ کی وفات کے بعد جو کتاب میں نے لکھی اس سے پہلے آپ کی تحریروں کو پڑھا اور میرا تجربہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس سے میری تحریر میں ایسی برکت پیدا ہوئی کہ ادیبوں سے بھی میرا مقابلہ ہوا۔ اور اپنی قوت ادبیہ کے باوجود انہیں نیچا دیکھنا پڑا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر اپنے اندر ایسا جذب رکھتی ہے کہ اس کی نقل کرنے والے کی تحریر میں بھی دوسرے سے بہت زیادہ زور اور کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مسیح ناصری تو دنیا کے لٹریچر کا رنگ بدل دے مگر مسیح محمدیؐ نہ بدلے۔

اگر انجیل نے انیس سو سال تک دنیا کے لٹریچر کا رنگ بدلا ہے تو مسیح محمدیؐ اس سے بہت زیادہ عرصے تک بدلے گا۔ مگر اس کی طرف پہلا قدم اٹھانا ہمارا کام ہے اگر ہمارا طرزِ تحریر وہی ہو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے تو پھر دیکھو کتنا اثر ہوتا ہے۔ دلائل بھی بے شک اثر کرتے ہیں مگر سوز اور درد ان سے بہت زیادہ اثر کرتا ہے اور **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں دلائل کے ساتھ ساتھ درد اور سوز پایا جاتا ہے۔**

اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا پانی ہے جس میں ہلکی سی شیرینی ملی ہوئی ہے۔ وہ بے شک شربت نہیں لیکن ہم اسے عام پانی بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ پانی کی تمام خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے مگر دوسری طرف پانی سے زائد خوبیاں بھی اس کے اندر موجود ہیں اور میں سمجھتا ہوں جو کام اس وقت ہمارے مصنف اور محرر کر رہے ہیں اس سے دوگنا کر سکتے ہیں اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ تحریر کو اختیار کریں۔

اس وقت پرانے لوگوں کا طرزِ تحریر اور ہے اور نئے لوگوں کا اور۔ ہر ایک کا جداگانہ طرز ہے اور ہر شخص اپنے رنگ میں چل رہا ہے جس سے قومی لٹریچر کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ **اگر قومی حیثیت سے جماعت کسی طرزِ تحریر کو اختیار کر سکتی ہے تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ تحریر ہے اس کو چھوڑ کر اگر ہر کوئی اپنا جداگانہ طریق اختیار کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت کسی کی بھی نقل نہیں کرے گی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے**

سوا کسی اور کی یہ پوزیشن نہیں کہ جماعت اس کی نقل کرے۔

اگر ہر ایک کی طرزِ تحریر علیحدہ ہو تو سلسلہ کا طرزِ تحریر کوئی نہ ہو گا حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ ہمارے مصنف کی تصنیف کو پڑھ کر خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی یا ادبی یا کسی اور موضوع پر ہو نوے فیصدی یہ پتہ لگ جائے کہ یہ کسی احمدی کی تصنیف ہے۔ اس کے اندر سنجیدگی، وقار، سلاست اور روانی ایک جگہ جمع ہونی چاہیئے۔ اس کے اندر ایک طرف امید کو بڑھایا جائے تو دوسری طرف خشیت پیدا کرنے کا خیال رکھا جائے یہ نہیں کہ ایک چیز کو بڑھایا اور دوسری کو مٹا دیا جائے۔ وہ ایک ایسی نہر کی طرح ہو جو باغ کے درمیان میں سے گذرتی ہے اور دائیں بائیں دونوں طرف سیر اب کرتی ہے۔ اس کے کناروں پر درخت ہیں۔ جس کے سایہ میں لوگ آرام کرتے ہیں۔

اگر ہمارے دوست ایسی طرزِ تحریر اختیار کریں تو تھوڑے ہی عرصہ میں اگر دنیا اس کی نقل نہ کرے تو کم از کم محسوس ضرور کرنے لگ جائے گی کہ یہ نیا طرزِ تحریر ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں قائم کیا ہے۔ اور یہ صورت یقیناً ہمارے لئے زیادہ بابرکت، زیادہ مفید اور زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو گی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔

اس موقع پر میں مثالیں دے کر نہیں سمجھا سکتا۔ اس کا آسان گُر یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی کتاب کو اٹھاؤ اور اس کے دس صفحے پڑھ جاؤ، پھر آج کل کے کسی احمدی مصنف کی کتاب کے دس صفحے پڑھو، صاف پتہ لگ جائے گا کہ نمایاں فرق ہے۔

لیکن اگر کسی میری تصنیف کے دس صفحے پڑھو تو صاف معلوم ہو گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ تحریر کی نقل ہے کیونکہ میں نے جس وقت سے قلم اٹھایا ہے ہمیشہ اس بات کو مدّ نظر رکھا ہے سوائے کسی خاص موقع کے جہاں کوئی اور بات مد نظر ہو اور روانی اور سلاست وغیرہ مد نظر نہ ہوں جسے عام کتابوں اور تحریروں میں شامل نہیں کیا جا سکتا بلکہ جداگانہ موقع اور محل ہوتا ہے۔ ایسی تحریروں کو چھوڑ کر باقی کو اگر کوئی مبصر پڑھے تو صاف معلوم ہو گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرزِ تحریر کی نقل کی ہے۔

مگر جدید مصنفوں کی تحریروں میں یہ بات نہیں بلکہ ان کی طرز ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے دوسروں کو ہنسانا یا ڈرانا مدّ نظر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کی روانی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑوں پر برسا ہوا پانی بہتا ہے۔ بظاہر اس کا کوئی رخ معلوم نہیں ہوتا مگر وہ خود اپنا رخ بناتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں میں الٰہی جلال ہے اور وہ تصنّع سے بالا ہے۔ جس طرح

پہاڑوں کے قدرتی مناظر ان تصویروں سے کہیں زیادہ دلفریب ہوتے ہیں جو انسان سالہا سال کی محنت سے تیار کر کے میوزیم میں رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارت بھی سب سے فائق ہے۔ انسان کتنی محنت سے پہاڑ کی تصویر تیار کرتا ہے مگر کیا وہ پہاڑ کے اصل نظاروں کا کام دے سکتی ہے۔ لاکھوں روپیہ کے صَرف سے سمندروں کی تصویریں تیار کی جاتی ہیں۔ مگر سمندر جوش میں ہو تو کیا اس وقت کے نظاروں کا کام تصویر دے سکتی ہے۔ تصویر کے اندر نہ وہ دلکشی ہو سکتی ہے اور نہ ہیبت وشوکت۔ اسی طرح باقی سب تحریریں تصویریں ہیں۔ **مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات قدرتی نظارہ۔** اس لئے اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو خدائی نظارہ کی نقل کرو تا تمہارا اپنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا قانون دنیا میں پھیلے۔

ابھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب کا زمانہ ہے اس وقت کئی باتیں قومی شعار بنائی جا سکتی ہیں جن کا بعد میں بنانا مشکل ہو گا۔ کیونکہ ایک تو دور دراز مقامات اور ممالک میں جماعتیں پھیل جائیں گی اور دوسرے لوگ بھی ایک رنگ کے عادی ہو جائیں گے۔ رسول کریم ﷺ سے قبل کے زمانہ کے اشعار اگر دیکھیں تو ان میں لفّاظی بہت نظر آئے گی مگر آپ کے زمانہ اور زمانۂ مابعد میں مسلمان شعراء کے کلام میں لفّاظی چھوڑ قرآن کریم والی سلاست کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی آمد سے دنیا کا نقشہ بدل جاتا ہے اور لٹریچر بھی بدل جاتا ہے۔ **پس ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تتبع میں دنیا کا لٹریچر بدل ڈالیں،** تاکہ ہر انسان آپ کی اس خوبی کا بھی اعتراف کرے۔ اس کے علاوہ روحانی تبدیلیاں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں پیدا کیں انہیں بھی اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 10 جولائی 1931ء، "خطبات محمود" جلد 13 (سال 1931ء) صفحہ 217-221 مطبوعہ لندن)

یسوع ناصری کی شخصیت: نئے عہد نامہ کی رو سے،
رومن کیتھولک چرچ کے عقیدہ کی رو سے

سید میر محمود احمد ناصر صاحب۔ مرحوم

نئے عہد نامہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یسوع ناصری کا تعلق یہود سے تھا۔ وہ اس خدا کی عبادت کرتے تھے جو یہود کا خدا تھا۔ یہودی رسوم و روایات کی اتباع کرتے تھے۔ یہودی شریعت کی توضیح و تشریح کرتے تھے۔ اور انہوں نے جو یہودی حواری بنائے وہ ان کو یہود میں آنے والے مسیح کے طور پر مانتے تھے۔

اس کے لئے مندرجہ ذیل حوالے دیکھئے۔

متی کی انجیل ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ

ظاہر ہے کہ مسیح یہود کا لفظ ہے اور یہودیوں کو مسیح کا انتظار تھا اور یہودی پرانے عہد نامہ کے بعض حوالوں کی بناء پر سمجھتے تھے کہ آنے والا مسیح داؤد کی اولاد سے ہو گا اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے متی اور لوقا نے نسب نامے دیئے ہیں۔

متی کے دوسرے باب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جب یسوع کی پیدائش ہوئی تو پورب سے مجوسی آئے اور انہوں نے یروشلیم میں پوچھا۔

یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے کہاں ہے؟

پھر حاکم ہیرودیس نے اس کا تذکرہ سن کر یہودی علماء سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیئے۔ تو انہوں نے کہا۔ یہودیوں کے بیت لحم میں۔ اور اس کی تائید میں انہوں نے پرانے عہد نامہ کا حوالہ پیش کیا۔

پھر لکھا ہے کہ فرشتہ کی رہنمائی کے مطابق مریم کے خاوند یوسف بچہ کو اور ماں کو لے کر مصر چلے گئے۔ اور ہیرودیس نے بیت لحم کے نواح میں قریب قریب پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کروا دیا اور یرمیاہ نبی کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ ہیرودیس کے مرنے کے بعد یوسف مریم اور بچہ کو لے کر واپس آیا تو نئے حاکم ارخلاؤس کے ڈر سے یہودیہ میں نہ ٹھہرا بلکہ گلیل کے شہر ناصرہ میں جا کر آباد ہوا اس لئے مسیح ناصری کہلایا۔ اور یہودی بزرگوں کی ایک اور پیشگوئی

پوری ہوئی کہ وہ ناصری کہلائے گا۔

متی باب 3 میں یسعیاہ کی پیشگوئی کے مطابق یوحنا (جس کو اسلامی اصطلاح میں یحییٰ کہتے ہیں) مبعوث ہوا اور انہوں نے اپنا مشن شروع کیا اور یروشلیم اور سارے یہودیہ اور یردن کے گردونواح کے سب لوگ نکل کر اس کے پاس گئے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا... اس وقت یسوع گلیل میں یردن کے کنارے یوحنا کے پاس اس سے بپتسمہ لینے آیا... اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو آسمان اس کے لئے کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔

ظاہر ہے کہ یسوع کی شخصیت کیا تھی اگر وہ خدا تھا تو اس نے بپتسمہ انسانوں کی طرح کیوں لیا اور بپتسمہ کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وہ گناہوں کے اقرار کا ذریعہ ہوتا تھا۔ اور اس بپتسمہ کی برکت سے خدا کی روح کو اس نے اترتے دیکھا۔

متی باب 4 میں لکھا ہے کہ 40 دن رات فاقہ کر کے اس کو بھوک لگی۔ اس فقرہ سے ہی یسوع کی شخصیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر آگے دیکھئے شیطان نے 3 روز اس کو آزمایا اور اس نے شیطان کے حکم کو واضح طور پر یہودی کتاب کے الفاظ سے انکار کیا۔ اگر یسوع یہودی نہیں تھا تو پے در پے یہودی کتب سے اپنی تائید میں حوالے کیوں پیش کئے کیونکہ مخاطب کوئی یہودی نہیں تھا۔

نئے عہد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خطرہ محسوس کرتے تو وہاں سے غائب ہو جاتے جیسا کہ متی باب 4 میں لکھا ہے۔ اور جب اس نے سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرنحوم میں جابسا۔ اس جگہ کی تبدیلی کے حق میں بھی یہودی کتاب کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ یہودی مذہب اور یہودی کتاب کو مانتے تھے۔

متی باب 5 میں یسوع کی وہ تقریر ہے جس پر تمام عالم عیسائیت بہت ناز کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس تقریر میں جو پہاڑی وعظ کے نام سے معروف ہے جو اخلاقی تعلیم دی گئی ہے اس کا دنیا میں کہیں جواب نہیں لیکن اس تقریر میں یسوع نے صاف صاف کہا کہ: یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے چھوٹے سے حکموں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ اس کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز

داخل نہ ہوگے۔

متی باب 7 میں یسوع کی نصیحت ہے کہ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ ڈالو۔ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع بھی یہود کے عقیدہ کے مطابق سؤروں کو کتوں کی طرح ناپاک خیال کرتے تھے۔ مگر آج کے چرچ کے مطابق تو سؤر بہت ہی پاک جانور ہے جو بہت شوق سے کھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا ہے عالم عیسائیت پہاڑی وعظ کی اخلاقی تعلیم کو بڑے فخر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے مگر اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ اس وعظ کے آخری حصہ میں یسوع کہتے ہیں: کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔

متی باب 8 میں یسوع نے ایک کوڑھی کو شفا دی اور پھر اس کو ہدایت دی۔ خبردار کسی سے نہ کہنا اور جو نذر موسیٰ نے مقرر کی ہے اسے گذران تاکہ ان کے لئے گواہی ہو۔

آج کل تو چرچ یسوع کی اس ہدایت کے بجائے پولوس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے مگر اس ہدایت سے بالکل واضح ہے کہ یسوع موسوی شریعت کے احکام پر عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

باب نمبر 8 میں ذکر ہے کہ یسوع نے بدروحوں کو نکالا اور یسعیاہ کا حوالہ انجیل اس پر چسپاں کرتا ہے اگر یسوع یہودی نہیں تھے تو یہودی کتاب کے ان کاموں پر حوالہ چسپاں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

متی باب 9 میں یہ ذکر ہے کہ جب ایک مفلوج کو شفا دی مگر ساتھ ہی کہا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے تو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں اس طرح کہنے کو کفر خیال کیا یسوع نے ان کے اس خیال پر مفلوج سے کہا کہ اٹھ اور اپنی چارپائی اٹھا اور گھر چلا جا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اس انجیل میں لکھا ہے کہ لوگ خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کو یہ اختیار خدا نے دیا تھا اور خدا نے یہ اختیار آدمی کو دیا تھا۔ چرچ یسوع کو خدا کہتا ہے اور ان کے معجزات ان کی خدائی نبوت کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر نیا عہد نامہ کہتا ہے کہ یہ اختیار خدا کی طرف سے تھا اور آدمی کو یہ اختیار دیا گیا تھا۔

متی باب 10 میں لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے بھیجتے ہوئے ہدایت کی غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع اپنا مشن یہودیوں تک محدود رکھتے تھے اور وہ غیر قوموں کی طرف بھیجے نہیں گئے تھے۔

متی باب 10 میں یہ بھی لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔ یہ فقرہ خوب ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کا مقام خدا سے کم تھا مگر چرچ کے نمائندگان یہ کہتے نہیں تھکتے کہ یسوع ہر لحاظ سے ہر پہلو سے پوری طرح خدا تھا۔

متی باب 11 میں لکھا ہے:

اس وقت یسوع نے کہا اے باپ! آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقل مندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔

غور کیجئے کہ یسوع یہاں خدا کو مخاطب کر کے کچھ عرض کر رہے ہیں کیا یہ باتیں ایک بندہ اپنے خدا کی خدمت میں عرض کرتا ہے یا ایک خدا، خدا کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔

متی باب 12 میں ہے کہ یسوع پر یہ اعتراض ہوا کہ اس کے شاگرد سبت کے دن بالیں توڑ کر کھا رہے ہیں جو سبت کے دن جائز نہیں۔ اگر شریعت کا جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور چرچ بھی عملاً یہی سمجھتا ہے کہ سبت کے احکام واجب العمل نہیں تو یسوع کے لئے آسان تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ یہ سب احکام اب واجب العمل نہیں رہے۔ مگر یسوع نے اس کا جواب یہ دیا کہ پرانے عہد نامہ کی رو سے حضرت داؤد نے بھی بامر مجبوری (بھوک کی وجہ سے) بعض ایسے کام کئے جو بظاہر نظر شریعت میں منع تھے۔

اس باب میں یسوع نے جب مطالبہ ہوا کہ وہ کوئی نشان دکھائے تو انہوں نے کہا صرف یوناہ کا نشان دکھایا جائے گا حالانکہ یسوع کی طرف تو ہر طرح کے نشان منسوب کئے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یسوع کا خاص نشان وہی تھا جو یوناہ نبی کا نشان تھا اور یوناہ نبی کا نشان یہ تھا کہ باوجودیکہ موت کے جملہ اسباب اس پر اکٹھے ہو گئے تھے وہ موت سے بچ گیا اور زندہ رہا۔ لازماً یسوع بھی صلیب کی موت سے بچ گیا۔ اگر یسوع بقول آپ کے خدا تھا تو اس کے مرنے کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔

متی باب 13 میں یسوع اپنے آپ کو نبی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں اور لوگ یسوع کی ماں اور اس کے بھائیوں اور بہنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا یہ سب باتیں یسوع کو خدا ٹھہراتی ہیں یا انسان۔

متی باب 15 میں لکھا ہے کہ جب یسوع نے سنا کہ ہیرودیس نے حضرت یوحنا کو قتل کروا دیا ہے تو وہاں سے الگ ہو کر ویران جگہ کو روانہ ہوا۔ نئے عہد نامہ میں کئی جگہ یہ اشارے موجود ہیں کہ یسوع خطرہ کے ڈر سے اس جگہ سے خاموشی سے اور جگہ چلا گیا۔ یہ سب علامات انسانی ہیں نہ کہ خدا کی اور نہ ہی خدا پانی پر چلا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخر میں بیان ہے۔

چرچ یسوع کو خدا بھی کہتا ہے خدا کا بیٹا بھی کہتا ہے۔ اور اس کے مشن کو تمام اقوام کے لئے بھی قرار دیتا ہے مگر نیا عہد نامہ سب اہم باتوں میں چرچ کے مخالف ہے۔ نئے عہد نامہ میں لکھا ہے:

”پھر یسوع وہاں سے نکلکر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں

سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داود مجھ پر رحم کر۔ ایک بد روح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آکر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاّتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتّوں کو ڈال دینا اچھّا نہیں۔ اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ کتّے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں۔ اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے۔ جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو۔" (متی باب 15 آیات 21 تا 28)

(مد نظر رہے کہ یسوع نے اس کے لئے دعا کی ہے)

متی باب 15 میں لکھا ہے کہ یسوع نے بڑی بھیڑ معذوروں اور بیماروں کی اچھی کر دی تو لوگوں نے تعجب کیا اور اسرائیل کے خدا کی تمجید کی۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یسوع کی تمجید نہیں کی اور اسرائیل کے خدا کی تمجید کی جس نے یسوع کو یہ اختیار دیا۔ جیسا متی کے باب 9 آیت 8 میں لکھا ہے: "اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار دیا۔"

متی باب 16 کی آیات 13 تا 17 سے ظاہر ہے کہ یسوع کو لوگ اور اس کے شاگرد کس مقام پر فائز سمجھتے تھے۔ لکھا ہے:

"اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بعض یوحنّا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں بعض ایلیاہ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا مبارک ہے تو شمعون بریوناہ۔"

اب دیکھئے کہ نیا عہد نامہ یسوع کو کیا مقام دیتا ہے اور چرچ کیا مقام دیتا ہے۔

متی باب 16 میں اور دوسرے کئی مقامات میں یسوع اپنے آپ کو ابن آدم کہتے ہیں یہ بھی دراصل ایک ترجمہ کی ہوشیاری ہے۔ اصل یونانی میں جو لفظ ہے اس کا ترجمہ "انسان کا بیٹا" ہے اور انگریزی میں Son of man ہی ترجمہ کیا جاتا ہے مگر اردو ترجمہ میں ابن آدم کے لفظ سے کچھ پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نئے عہد نامہ میں یسوع کو بار بار انسان کا بیٹا کہا گیا ہے اور کبھی کبھی خدا کا بیٹا۔ یسوع کے علاوہ آدم کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اس لئے ان الفاظ سے اگر الوہیت لی جائے تو آدم کو بھی خدا ماننا پڑے گا جس کو ساری انسانیت کے گناہ گار بنانے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔

متی باب 17 میں لکھا ہے کہ باوجودیکہ یسوع اپنے آپ کو "نیم مثقال" دینے کا ذمہ وار نہیں سمجھتے تھے تو بھی یسوع نے اپنی طرف سے اور پطرس کی طرف سے نیم مثقال کے حکم پر عمل کیا۔ چرچ شریعت موسوی کے حکم پر عمل نہیں کرتا مگر یسوع کو اگر شبہ بھی ہوتا تب بھی اس پر عمل کرتے تھے۔

یہود میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو ہر غلطی پر طلاق دینے کی اجازت درست سمجھتے تھے دوسرا حصہ وہ تھا جو صرف جنسی بے راہ روی پر طلاق کی اجازت دیتا تھا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ شریعت کے ایک ہی لفظ کی تشریح میں اختلاف کیا جاتا تھا۔ متی باب 19 میں یسوع نے اس فرقہ کی تائید کی جو صرف جنسی بے راہ روی پر طلاق کو جائز سمجھتا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع موسوی شریعت کو واجب العمل سمجھتے تھے۔ مگر موجودہ چرچ کا مسلک یسوع کے مسلک سے مختلف ہے۔

متی باب 19 میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے یسوع سے پوچھا میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں اس کے جواب میں یسوع نے کہا حکموں پر عمل کر۔ اور حکموں کی جو تشریح کی وہ وہی حکم ہیں جس کے بارہ میں پرانے عہد نامہ میں حکم ہے مگر آج چرچ اس حکم کو واجب العمل نہیں سمجھتا۔

چرچ کہتا ہے کہ تثلیث کے عقیدہ کے مطابق باپ، بیٹا اور روح القدس اپنے درجہ میں، علم میں، ارادہ میں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ اور باپ بھی خدا ہے اور بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے۔ مگر متی باب 20 میں لکھا ہے کہ دو شاگرد بھائیوں کی ماں نے درخواست کی کہ میرے دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں ایک تیرے دہنے اور ایک تیرے بائیں بیٹھے ہیں۔ اس پر یسوع نے جواب دیا:

"اپنے دہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جنکے لئے میرے باپ کی طرف سے تیّار کیا گیا ان ہی کے لئے ہے۔" (متی باب 20 آیت 23)

متی باب 21 میں لکھا ہے کہ جب یسوع گدھی پر سوار ہو کر مگر شاہانہ انداز میں یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے۔ بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرۃ کا نبی یسوع ہے۔ دیکھئے کسی نے نہیں کہا کہ یہ خدا ہے یہ قادر مطلق ہے۔ جیسے آج کا چرچ کہتا ہے نبی کا لفظ یہ اتنا بڑا مجمع انسان نبی کے معنوں میں بول رہا تھا نہ کہ خدا کے معنوں میں۔

اس باب میں لکھا ہے کہ یسوع نے ہیکل میں داخل ہو کر سب کو نکال دیا جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور ان سے کہا لکھا ہے کہ میرا گھر دعا کا گھر کہلائے گا۔ (متی باب 21 آیات 9 تا 13) یہ فقرہ یسعیاہ سے ماخوذ ہے یہ ساری سرگرمی بتا رہی ہے کہ یسوع یہودی تھے اور

یہودی مذہب کو واجب العمل سمجھتے تھے۔ اوراس لئے انہوں نے اتنا بڑا اقدام کیا جو بظاہر نظر سرکاری قانون کے خلاف تھا۔ اگر یسوع نے یہودیت کو بطور مذہب اور یہودی روایات کو ترک کر کے ایک نئی تعلیم دی تھی تو اس ہنگامہ آرائی کی کیا ضرورت تھی۔

اس باب میں لکھا ہے کہ یسوع کو بھوک لگی اور وہ راہ کے کنارے ایک انجیر کے درخت کے پاس گیا مگر پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پایا (پھل کا موسم نہیں تھا) یسوع نے درخت کے خلاف دعا کی اور وہ ایک دم سے سوکھ گیا۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا یہ سب ایک کمزور انسان کی داستان ہے یا اس خدا کی جس نے آسمان، زمین، درخت سب کچھ پیدا کیا۔

اس باب میں تاکستان کی ایک تمثیل ہے جس میں بیٹے کو جس سے مراد یسوع ہے اور باپ کی جس سے مراد خدا ہے بالکل مختلف نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیٹے کو باغبانوں نے باغ سے باہر نکال کر قتل کیا مگر باپ کا یہ کام لکھا ہے کہ وہ باغبانوں کو بری طرح ہلاک کرے گا۔ اب فرمایئے کہ کیا یسوع بھی خدا ہے اور باپ کی طرح کام کرتا ہے یا باپ سے بالکل مختلف ہے۔

باب 22 میں یسوع کے ایک کارنامے کا ذکر ہے کہ ایک مسئلہ میں جو یہودی فرقوں (فریسیوں اور صدوقیوں) میں مابہ النزاع تھا۔ یسوع نے صدوقیوں کا منہ بند کرادیا اور فریسیوں کو خوش کر دیا یہ بات بھی ظاہر کرتی ہے کہ یسوع یہودی مذہب کو ماننے والے تھے۔ اگر یہودی مذہب ان کا مذہب نہیں تھا تو ان کو اس فرقہ کے جھگڑوں میں پڑنے کی جس کا ان کے اپنے مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس باب میں یسوع نے اس بات کی تردید کر دی ہے کہ آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہوگا جو آج تک چرچ کا عقیدہ ہے۔ یہ بھی ایک اہم پہلو یسوع اور چرچ کے اختلاف رائے کا ہے۔

باب 23 کی عبارت فیصلہ کر دیتی ہے کہ یسوع کا تعلق یہودی مذہب سے تھا اور یہی ہدایت انہوں نے اپنے شاگردوں کو دی ہے۔ لکھا ہے:

”اس وقت یسوع نے بھیڑ سے اور اپنے شاگردوں سے یہ باتیں کہیں کہ فقیہ اور فریسی موسٰی کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔“
(متی باب 23 آیات 1 تا 3)

یہ ہے یسوع کی تعلیم جو نئے عہد نامہ میں آئی ہے کیا یہی تعلیم چرچ کی بھی ہے؟؟؟

آیت 23 سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یسوع یہودی شریعت کے ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والے

تھے۔ چرچ نے پولوس کی تعلیم کو مان لیا اور یسوع کی تعلیم کو چھوڑ دیا۔ یسوع نے تو کہا تھا:

”اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔“
(متی باب 23 آیت 23)

دیکھئے جس طرح یسوع نے یہود کو اس بات پر ڈانٹا کہ وہ شریعت کی صرف کچھ آسان باتوں پر تو عمل کرتے ہیں اور مشکل باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں یہی بات آج چرچ کی تعلیم ہے۔ چرچ شریعت کی مشکل باتوں کو چھوڑتا ہے۔

متی باب 24 میں بہت سے آئندہ کے واقعات کی پیشگوئی ہے۔ جن میں یہ پیشگوئی بھی ہے:

”جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھّم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔“
(متی باب 24 آیت 27)

اور ان واقعات کی پیش خبری کے بعد لکھا ہے:

”جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔“ (متی باب 24 آیت 34)

اب نیا عہد نامہ کے مطابق یسوع کے زمانہ کی نسل ختم ہونے سے پہلے یسوع کی آمد ثانی لازمی ہے۔ مگر 2 ہزار سال گزر رہے ہیں چرچ کا بیان ہے کہ یہ پیشگوئی ابھی پوری نہیں ہوئی۔ اب فرمایئے آپ کی چرچ کی بات مانیں گے یا نئے عہد نامہ کی۔

متی باب 25 میں یسوع کے متعلق یہ بھی ذکر ہے کہ اس وقت وہ 5 کنواریوں کے ساتھ بطور دولہا کمرہ میں داخل ہوگا۔ اور دروازہ اندر سے بند کر لیا جائے گا۔ مگر چرچ آج تو پادریوں کو ایک کنواری سے شادی کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اور نئے عہد نامہ میں پہلے پوپ پطرس کی پوپ بننے سے پہلے اور پوپ بننے کے بعد بھی بیوی رکھنے کا ذکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چرچ اگرچہ نئے عہد نامہ کو کلام خدا تو کہتا ہے مگر اس کو واجب العمل نہیں سمجھتا۔

متی باب 26 میں صاف ذکر ہے کہ یسوع کے حکم سے عید فسح کے کھانے کی تیاری جو خالصتاً یہودی عید ہے اور پرانے عہد نامہ میں حکم کے مطابق منائی جاتی ہے۔ یسوع کا مذہب پرانے عہد نامہ کی یہودیت کی تعلیم کے مطابق بقول چرچ کے نہیں تھا تو یسوع نے اپنے شاگردوں کے ساتھ باقاعدہ طور پر یہودی عید فسح کیوں منائی اور وہ بھی صلیب پر لٹکائے جانے سے دو ایک دن پہلے۔ گویا یسوع کی زندگی پیدائش سے لے کر موت تک ایک عمل کرنے والے یہودی کی زندگی تھی۔

چرچ کہتا ہے کہ یسوع صلیب کے واقعہ کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے مگر یسوع نے واقعہ صلیب کے بعد اپنی

مرید خواتین کو کہا:

"ڈرو نہیں۔ جاؤ میرے بھائیوں کو خبر دو تا کہ گلیل کو چلے جائیں۔ وہاں مجھے دیکھیں گے۔" (متی باب 28 آیت 10) اب آپ نے اس یسوع کے حالات پڑھ لئے جو نئے عہد نامہ میں ہیں اور چرچ نئے عہد نامہ کو WORD of GOD کہتا ہے۔

اب دیکھئے رومن کیتھولک چرچ یسوع کے متعلق کیا کہتا ہے۔

The unique and altogether singular event of the Incarnation of the Son of God does not mean that Jesus Christ is part God and part man, nor does it imply that he is the result of a confused mixture of the divine and the human. He became truly man while remaining truly God.

اب آپ سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا نئے عہد نامہ کا یسوع اور چرچ کا یسوع ایک ہی وجود ہیں!

چرچ یسوع کو truly God کہتا ہے۔ کیا نیا عہد نامہ کہیں اشارۃً بھی یسوع کو truly God کہتا ہے؟ کیا اگر یسوع کے متعلق چرچ یہ جانتا ہے کہ یسوع ماں کے بطن سے پیدا ہوا، بچہ تھا پھر بڑا ہوا اور نشو و نما پائی، کھاتا تھا، پیتا تھا، چلتا پھرتا تھا، ناراض اور غصہ بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ نیا عہد نامہ کہتا ہے پھر مر گیا تو کیا اس کو truly God سمجھتے ہیں۔ نئے عہد نامہ نے تمام انسانی حوائج اور حد بندیاں یسوع کی طرف منسوب کی ہیں۔ غصہ ہونا اور ڈانٹ ڈپٹ بھی مگر اس کے مسکرانے کا کوئی ذکر نہیں کیا اور کہتے ہیں کہ چرچ میں صدیوں تک یہ بحث مباحثہ ہوتا رہا کہ کیا کبھی یسوع مسکرایا تھا۔ اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ نہیں مسکرایا کیونکہ مسکراہٹ تو الوہیت کے خلاف ہے۔

بہر حال چرچ یسوع کو truly God کہتا ہے اور نیا عہد نامہ اس کو خدا نہیں کہتا بلکہ اس کی الوہیت سے انکار کرتا ہے دیکھئے یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے۔

"یہودیوں نے اسے سنگسار کرنے کے لئے پھر پتّھر اٹھائے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھّے کام دکھائے ہیں۔ ان میں سے کس کام کے سبب سے مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھّے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لئے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے۔

یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جنکے پاس خدا کا کلام آیا (اور کتاب مقدّس کا باطل ہونا ممکن نہیں) آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے

مقدّس کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اس لئے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں؟"
(یوحنا باب 10 آیات 31 تا 36)

اب یسوع نے صاف کہا کہ اگر تمہارے بزرگوں کو جو انسان تھے اور ان کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہے گا تو میرے جیسے مقدس کئے گئے انسان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں کیا حرج ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"حضرت مسیحؑ سے پہلے یہود لوگ بنی اسرائیل سیدھے سادے طور پر خدا تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس ماننے میں وہ بڑے مطمئن تھے اور ہر ایک دل بول رہا تھا کہ خدا حق ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مصنوعات کا صانع حقیقی ہے اور واحد لاشریک ہے اور کسی قسم کا دغدغہ خدا شناسی میں کسی کو نہ تھا۔ پھر جب حضرت مسیحؑ تشریف لائے تو وہ آنحضرت علیہ السلام کے بیانات سن کر گھبرا گئے کہ یہ شخص کس خدا کو پیش کر رہا ہے۔ توریت میں تو ایسے خدا کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ تب حضرت مسیحؑ نے کہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے اور برگزیدہ تھے۔ اس وہم باطل کو دور کرنے کے لئے کہ یہودیوں نے بباعث کوتہ اندیشی اپنی کے اپنے دلوں میں جما لیا تھا۔ وہ اپنے کلمات مبارکہ پیش کئے جو یوحنا (باب 10 آیت 29،30) آیت میں موجود ہیں چنانچہ وہ عبارت بجنسہٖ ذیل میں لکھ دی جاتی ہے چاہئے کہ تمام حاضرین حضرت مسیحؑ کی اس عبارت کو غور سے اور توجہ سے سنیں کہ ہم میں اور حضرات عیسائی صاحبوں میں پورا پورا فیصلہ دیتی ہے اور وہ یہ ہے:

میرا باپ جس نے انہیں مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے اور کوئی انہیں میرے باپ کے ہاتھ سے چھین نہیں سکتا میں اور باپ ایک ہیں۔ تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر بکتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جب کہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب ہر ایک منصف اور ہر ایک متدیّن سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے باپ کا لفظ سن کر اور یہ کہ میں اور باپ ایک ہیں یہ خیال کر لیا کہ یہ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی طور پر بیٹا قرار دیتا ہے تو اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ میں کوئی زیادہ بات نہیں۔ دیکھو تمہارے حق میں تو

خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ در حقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے اور حقیقی طور سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا تصوّر کرتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت میں جب یہودیوں نے ان پر الزام لگایا تھا مرد میدان ہو کر صاف اور کھلے کھلے طور پر کہہ دیتے کہ میں در حقیقت ابن اللہ ہوں اور حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں۔ بھلا یہ کیا جواب تھا کہ اگر میں اپنے تئیں بیٹا قرار دیتا ہوں تو تمہیں بھی تو خدا کہا گیا ہے بلکہ اس موقعہ پر تو خوب تقویت اپنے اثبات دعویٰ کی ان کو ملی تھی کہ وہ بقول ڈپٹی صاحب وہ تمام پیشین گوئیاں پیش کر دیتے جو ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے کل کے جواب میں لکھائی ہیں۔ بلکہ ایک فہرست بھی ساتھ دے دی ہے اور انہیں اس وقت کہنا چاہیئے تھا کہ تم تو اسی قدر بات پر ناراض ہو گئے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور میں تو بموجب بیان تمہاری کتابوں کے اور بموجب فلاں فلاں پیشگوئی کے خدا بھی ہوں۔ قادر مطلق بھی ہوں خدا کا ہمتا بھی ہوں۔ کونسا مرتبہ خدائی کا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ غرض کہ یہ مقام انجیل شریف کے تمام مقامات اور بائبل کی تمام پیشگوئیوں کو حل کرنے والا اور بطور ان کی تفسیر کے ہے۔ مگر اس کے لئے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔“

(جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 116 تا 118)

تبصرہ کتاب

History of Missions in India

م۔نورالدین

تعارف:

زیر تبصرہ کتاب History of Missions in India دراصل جرمن زبان میں 1908 میں تحریر کی گئی کتاب Indische Missionsgeschichte کا انگریزی ترجمہ ہے، جو Sydney H. Moore نے کیا ہے۔ انگریزی ترجمہ 469 صفحات اور 7 ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب 1908 میں Fleming H. Revell Company Chicago نے شائع کی۔

یہ کتاب ہندوستان میں عیسائیت کی ترویج و اشاعت کے لیے سرانجام دی جانے والی مختلف تبلیغی سرگرمیوں کا ایک مفصل تاریخی خاکہ پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب نہایت وسیع اور عمیق تحقیق کا نتیجہ ہے، جو صدیوں پر پھیلی ہوئی عیسائی پادریوں کی تبلیغی اور کافی حد تک سیاسی (طاقت بذریعہ تجارت کے حصول) سرگرمیوں کا مصنف کے زمانے تک احاطہ کرتی ہے۔ اس میں مصنف نے نہ صرف ہندوستان میں عیسائی مشنریز کی ابتدائی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے، بلکہ ہندوستان کے جغرافیائی حالات، آبادی کی خصوصیات، مقامی رسم و رواج، تہذیب و ثقافت اور مختلف مذاہب کی تفصیلات بھی فراہم کی ہیں۔

جب ہم ہندوستان کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں صاف نظر آتا ہے کہ مؤرخین اور عیسائی مناد اس یقین پر قائم تھے کہ ہندوستان اور خصوصاً پنجاب (ملک پنجاب) انگریزوں کے ہاتھوں میں دئے ہی اس لیے گئے تھے کہ تا یہاں کے لوگوں کو عیسائیت قبول کروائی جا سکے۔

Two of the most eminent of the Panjab school — John Lawrence and Herbert Edwardes — leaned strongly to the view that Providence had placed India in British hands in order that the people might be Christianised ; more than one colonel of the Bengal Army preached the Gospel zealously between parades; and even Lord Palmerston, at a banquet

given to Canning on his appointment as governor-general, observed that "perhaps it might be our lot to confer on the countless millions of India a higher and nobler gift than any mere human knowledge". [1]

پنجاب اسکول کے دو ممتاز ترین افراد، جان لارنس اور ہربرٹ ایڈورڈز، اس نظریے کے سخت حامی تھے کہ قدرت نے ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھوں میں اس لیے دیا ہے تاکہ یہاں کے لوگوں کو عیسائیت قبول کروائی جاسکے، بنگال آرمی کے ایک سے زیادہ کرنل پریڈ کے وقفوں کے دوران جوش وخروش سے انجیل کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور حتیٰ کہ لارڈ پامرسٹن نے بھی، کیننگ کی بطور گورنر جنرل تقرری کے موقع پر دی گئی ایک ضیافت میں کہا کہ:

"شاید یہ ہماری تقدیر ہو کہ ہم ہندوستان کے بے شمار کروڑوں لوگوں کو محض انسانی علم سے کہیں بلند اور اعلیٰ تحفہ عطا کریں۔"

کچھ مصنف کے بارے میں:

جولیس ریکٹر (1862-1940) Julius Richter۔ایک ماہر Missiologist تھے۔ جرمنی میں پندرہ سال بطور پادری خدمات انجام دینے کے بعد، وہ پیشہ وارانہ طور پر مشنز کی تاریخ میں دلچسپی لینے لگے۔ ریکٹر نے مختلف تبلیغی کمیٹیوں اور تنظیموں کی صدارت کی، اور 1911 میں 'Allgemeine Missions-Zeitschrift' کے مدیر مقرر ہوئے۔ 1920 میں برلن یونیورسٹی میں مشنز کی پہلی چیئر پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کے وسیع اسفار اور ذاتی تعلقات نے انہیں اپنے وقت کی اہم ترین بین الاقوامی عیسائی (Ecumenical) شخصیات میں سے ایک بنا دیا۔ تمام براعظموں پر مشنز اور چرچ کی ترقی کے موضوع پر تیس کتابوں اور لاتعداد مضامین کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ، انہوں نے مشنز کی تاریخ نگاری (Historiography of missions) پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔ ان کا سب سے اہم کام پروٹسٹنٹ مشنز کی پانچ جلدوں پر مشتمل تاریخ، Allgemeine evangelische Missionsgeschichte 1906-1932 ہے۔[2]

تبصرہ کتاب:

مصنف نے اپنی زیر تبصرہ کتاب کا آغاز عیسائیت کی ابتدا سے کیا اور توما حواری کے ہندوستان میں آنے اور تبلیغی خدمات انجام دینے کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں کہ اپوکریفا روایات سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شمال مغربی

1 The Cambridge Shorter History of India by J. ALLAN, M.A. P. 716 Cambridge 1934

2۔(ماخوذ از ویب سائٹ https://www.biblicaltraining.org/library/julius-richter)

ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں مسیحی برادریاں اس وقت موجود تھیں، اور وہ اپنی ابتدا توما رسول سے جوڑتی تھیں۔

مصنف اسی تناظر میں دور اول کے معروف عیسائی تاریخ دان یوسیبوس قیصریہ (265/260 تا 30 مئی 339ء) کے معتبر حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ اس وقت بہت سے مبلغین موجود تھے۔

ان میں سے ایک پینٹینس (Pantænus) بھی تھا، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہندوستانیوں تک پہنچا، جن کے درمیان کہا جاتا ہے کہ اسے سینٹ میتھیو (St. Matthew) کی انجیل ملی جو اس کی آمد سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کے پاس تھی جو مسیح کو جانتے تھے۔

گو کہ مصنف اپنی اس تحریر میں اِن تاریخی حقائق کی صداقت پر جابجا گہرے شکوک و شبہات کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں (اور اس کی وجہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰؑ کی صلیبی موت سے نجات کا جو عقیدہ بیان فرمایا اور پھر آپؑ کی کشمیر (ہندوستان) کی طرف ہجرت کے ثبوت دیئے، انہوں نے عیسائیت کے غلط اعتقادات کی عمارت کو زمین بوس کر دیا)، تاہم چونکہ یہ تحریریں اور سچائیاں صدیوں قبل ہی محفوظ ہو چکی تھیں، لہٰذا انہیں شکوک کے گھنے بادلوں میں لپیٹ کر عوام کی نگاہوں سے وقتی طور پر او جھل تو کیا جا سکتا ہے، مگر اِن تاریخی سچائیوں کو یکسر مسترد کر دینا امر محال ہے۔ مصنف کے لئے ایک طرف حقائق کے مطابق یہ بھی ثابت کرنا ضروری ہے کہ عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کے حواری توما کے ذریعے پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان میں آچکی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ ماننا کہ پہلی صدی میں صرف عیسائیت ہی ہندوستان نہیں آئی تھی بلکہ توما حواری ایک اور بہت بڑی شخصیت کے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے۔ نہ کہ اکیلے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عصر حاضر میں یہ تحریر فرما کر کہ ”ہم قبول کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ زمین شام میں سے ہجرت کر کے کشمیر کی طرف چلے گئے تھے مگر ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ اور آپ کے حواری پیچھے رہ گئے تھے بلکہ تاریخ کی رو سے ثابت ہے کہ حواری بھی کچھ تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ اور کچھ بعد میں آپ کو آملے تھے جیسا کہ دھوما حواری حضرت عیسیٰ کے ساتھ آیا تھا باقی حواری بعد میں آگئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رفاقت کے لئے صرف ایک ہی شخص اختیار کیا تھا یعنی دھوما کو جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے وقت صرف حضرت ابو بکر کو اختیار کیا تھا۔“ (روحانی خزائن جلد 21 براہین احمدیہ صفحہ 403)

مصنف تحریر کرتے ہیں کہ اس کے بعد توما حواری پارتھیان کے بادشاہ گوندوفارس (Gondophares زمانہ حکومت 20–46 AD) کے دربار میں آیا۔ اپنی آمد پر توما نے ہر طرح کے معجزات دکھائے، اور بادشاہ نے اپنی بہت سی رعایا سمیت ایمان قبول کیا اور بپتسمہ لیا۔ کچھ عرصے بعد توما حواری نے گوندوفارس کی سلطنت چھوڑ دی اور

ہندوستان کے ایک دوسرے حصے کا سفر کیا، جہاں بادشاہ، مسڈیوس (Misdeus) حکومت کرتا تھا۔ وہاں انہوں نے شہادت پائی۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''عیسائی اس بات کے خود قائل ہیں کہ بعض حواری اُن دنوں میں ملک ہند میں ضرور آئے تھے اور دھوما حواری کا مدراس میں آنا اور اب تک مدراس میں ہر سال اُس کی یادگار میں عیسائیوں کا ایک اجتماع میلہ کی طرح ہونا یہ ایسا امر ہے کہ کسی واقف کار پر پوشیدہ نہیں۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 350۔351)) توما حواری کی ہڈیاں ایڈیسا (ارفہ) ترکی پہنچائی گئیں، اور وہاں اس کی باقیات پر ایک گرجا گھر تعمیر کیا گیا۔

مصنف لکھتے ہیں کہ یہ کہانی، جو خود اپنی ذات میں ناقابلِ یقین ہے، مگر مشرقی ایران کے پہاڑی اضلاع اور ہندوستان کے ملحقہ اضلاع میں سکوں کی متعدد دریافتوں سے غیر متوقع طور پر تائید پاتی ہے۔ اغلباً مصنف کی اس تحریر سے مراد موجودہ پاکستان کے مردان کے علاقے تخت بھائی (Takht-i-Bahi) یا ٹیکسلا سے ملنے والی تختیاں ہیں۔

مصنف کو مختلف صدیوں کے حوالے سے تاریخ سے جو تحریری دستاویزات ملی ہیں ان کا اختصار سے احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں پھر وہ وقت آ گیا کہ جب واسکوڈے گاما 1497ء میں پرتگالی بیڑے کی قیادت کرتے ہوئے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا اور 9 مئی 1498 کو کالیکٹ پہنچا۔ اس سفر نے مغرب اور ہندوستان کے ممالک کے درمیان اتحاد کو مکمل کیا جسے صدیوں سے تلاش کیا جا رہا تھا، اور یہ ایک نئے دور کا آغاز تھا یعنی ہندوستان میں رومن کیتھولک مشنریوں کا دور۔

مصنف لکھتے ہیں کہ 1500ء میں جب جہاز ہندوستان کے لئے روانہ ہوا، تو اس میں Dominicans اور Franciscans نامی عیسائی مشنری تنظیموں کے بڑی تعداد میں راہب شامل تھے جو مذہبی خدمات انجام دینے کے لیے بھیجے گئے۔ یہ سلسلہ شروع ہوا اور پھر رکا نہیں۔ تقریباً ہر جہاز کے ساتھ مزید مشنری ہندوستان آنے لگے۔ گوا نہ صرف پرتگیزی نوآبادیاتی سلطنت کا مرکز بن گیا بلکہ عیسائیت کا بھی گڑھ بن کر ابھرا۔

اس وقت پرتگال سے آنے والے پادریوں میں معروف نام فرانسس زیویر (Francisco Xavier) کا ملتا ہے جس نے گوا میں تین سال قیام کیا اور مختلف ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں 12000 سے لے کر 3 لاکھ تک افراد نے بپتسمہ لیا۔ مصنف کے مطابق یہ لوگ ہندوستان کے انتہائی جنوبی ساحل اور قریبی جزائر پر مقیم ماہی گیر اور موتی چننے والے تھے، اور انہوں نے بڑی گرم جوشی سے عیسائیت قبول کی کیونکہ فرانسس زیویر کے اثر و رسوخ کی بدولت انہیں طاقتور دشمنوں سے تحفظ ملا، ماہی گیری اور موتی نکالنے کی صنعت کی اجارہ داری جیسے اہم مادی فوائد کی ضمانت مل گئی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اس معاملے میں شروع سے آخر تک مذہبی محرکات کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

مصنف کے مطابق سترہویں صدی کے اختتام پر ہندوستان میں رومن کیتھولک عیسائیوں کی تعداد پچیس لاکھ تھی۔ اس دور میں فرانسسکن (Franciscan)، جیسوٹ (Jesuit) اور دیگر کیتھولک تنظیموں نے ہندوستان میں وسیع پیمانے پر تبلیغی کام کا آغاز کیا۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز گوا جیسی پرتگالی ساحلی نوآبادیات تھیں، جو خانقاہوں، کالجوں اور پادریوں سے بھری پڑی تھیں۔

تاہم، اس ظاہری کثرت کے باوجود دو بڑی کمزوریاں تھیں۔ اول: مقامی آبادی کی روحانی تربیت اکثر نظر انداز کی جاتی رہی اور خود ان تنظیموں کے مابین شدید اندرونی اختلافات اور جھگڑے بھی موجود تھے۔ دوم: ساحلی علاقوں کے برعکس، اندرونِ ملک ان کی کوششیں پرتگالی فوجی تحفظ کی عدم موجودگی کے باعث زیادہ تر ناکام رہیں۔ مغل دربار میں بھیجا گیا مشہور "جیسوٹ مشن" بھی عوام میں روحانی تبدیلی لانے کے بجائے سفارتی نوعیت کا ہی رہا۔

بالآخر دو بڑے عوامل ان مشنوں کے زوال کا سبب بنے۔ پرتگال کی سیاسی طاقت کا خاتمہ، جس کی وجہ سے ولندیزیوں اور انگریزوں نے ان کے علاقے چھین لیے۔ اسی طرح پرتگال اور روم (پوپ) کے درمیان ہندوستان میں مشنری سرگرمیوں کے اختیارات پر شدید تنازعات، جس نے داخلی انتشار کو جنم دیا۔

سترہویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی منظر نامے پر ایک بڑا تغیر آیا۔ پرتگالیوں کا غلبہ، جو پہلے بحرِ ہند پر بلا شرکتِ غیرے قائم تھا، زوال پذیر ہوا اور اس کی جگہ ولندیزیوں (ڈچ) نے لے لی۔ پرتگالیوں کا اثر و رسوخ سکڑ کر گوا اور دمن جیسے چند علاقوں تک محدود ہو گیا اور ان کی واحد نشانی مخلوط النسل آبادی رہ گئی جو "پرتگالی" کہلاتی تھی۔ **تاہم، ولندیزیوں نے ہندوستان پر مکمل اجارہ داری قائم نہیں کی بلکہ دیگر یورپی طاقتوں، جیسے انگریز، فرانسیسی اور ڈینش کو بھی ساحلی علاقوں میں تجارتی مراکز (فیکٹریاں) قائم کرنے کی اجازت دی۔ نتیجتاً، اٹھارہویں صدی کے آغاز تک ہندوستان کی ساحلی پٹی مختلف اور ایک دوسرے کی حریف یورپی اقوام کی بستیوں اور قلعوں سے بھری ہوئی تھی۔**

انیسویں صدی میں ہندوستان میں پروٹسٹنٹ مشنز کی آمد جس کو مصنف نے "ہندوستان میں جدید مشنوں کا آغازِ سحر" کے نام سے یاد کیا ہے۔ دراصل یہیں سے وہ زمانہ شروع ہوا کہ جب دلائل و براہین سے عیسائیت کی صف ہندوستان اور عالمگیر سطح پر لپیٹی جاتی تھی۔

انیسویں صدی میں پروٹسٹنٹ مشنری سرگرمیوں کا آغاز ایک ایسے دور میں ہوا جب ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا کنٹرول بڑھ رہا تھا۔ تاہم، کمپنی مکمل طور پر ایک تجارتی ادارہ تھی اور اس نے اپنے ابتدائی ڈیڑھ سو سال (1600-1757) صرف منافع کمانے اور پرتگالی، ولندیزی اور فرانسیسی حریفوں کو پیچھے دھکیلنے پر توجہ مرکوز رکھی۔

اسے عیسائیت کے پھیلاؤ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ اسے اپنے سیاسی استحکام کے لیے ایک خطرہ سمجھتی تھی۔ کمپنی کو ڈر تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت سے بغاوت پھیل سکتی ہے۔ اس لیے اس نے مشنریوں کی شدید مخالفت کی اور انہیں اپنے علاقوں میں کام کرنے سے روکا۔

جدید مشنری تحریک کا حقیقی آغاز ولیم کیری(William Carey) کی 1793ء میں ہندوستان آمد سے ہوا۔ کمپنی کی مخالفت کی وجہ سے انہیں کلکتہ میں کام کرنے کی اجازت نہ ملی اور شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر انہوں نے ڈنمارک کی کالونی سیرام پور میں پناہ لی، جہاں انہیں جوشوا مارش مین (ماہرِ تعلیم) اور ولیم وارڈ (ماہر طباعت) جیسے دو قابل ساتھی ملے۔ ان تینوں کو "سیرام پور ٹریو(Serampore Trio)" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

انہوں نے ہندوستان میں مشنری کام کو ایک نئی جہت دی:

1. **بائبل کا ترجمہ:** کیری جو خود بھی ماہر لسانیات تھا، نے بائبل کا سنسکرت، بنگالی، ہندی، مراٹھی سمیت چالیس سے زائد زبانوں میں (مکمل یا چنیدہ حصوں) کے تراجم کئے یا کروائے، کیری خود سنسکرت، بنگالی، مراٹھی اور ہندی زبان کا ماہر تھا۔ پھر 1806 سے 1814 کے درمیان ہنری مارٹن نے اردو اور فارسی میں عہد نامہ جدید کا ترجمہ کیا۔

2. **طباعت اور صحافت:** وارڈ نے ایک جدید پرنٹنگ پریس قائم کیا، جس سے نہ صرف بائبل بلکہ دیگر کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ انہوں نے ہندوستان کے ابتدائی اخبارات، جیسے بنگالی میں "سماچار درپن" اور انگریزی میں "فرینڈ آف انڈیا" بھی شروع کیے۔

3. **تعلیم:** مارش مین نے جدید اسکول قائم کیے۔ ان تینوں نے مل کر 1818 میں سیرام پور کالج کی بنیاد رکھی، جسے ڈنمارک کے بادشاہ کی طرف سے ڈگری دینے کا اختیار بھی دیا گیا، جو اُس وقت ایشیا میں ایک منفرد ادارہ تھا۔

بڑی مشنری سوسائٹیوں کی آمد: 1813ء کے بعد کا دور بڑی برطانوی اور امریکی مشنری سوسائیٹیوں کی آمد کا تھا۔ چرچ مشنری سوسائٹی (CMS)، لندن مشنری سوسائٹی (LMS) اور دیگر تنظیموں نے پورے ہندوستان میں اسکولوں، کالجوں اور گرجاگھروں کا جال بچھا دیا۔ انہوں نے خاص طور پر جنوبی ہندوستان اور بنگال میں بڑے پیمانے پر کام شروع کیا۔

ہندوستان میں مشنری کام کا دوسرا اہم دور سکاٹ لینڈ کے پادری ڈاکٹر الیگزینڈر ڈف (Alexander Duff) کی 1830 میں کلکتہ آمد سے شروع ہوتا ہے۔ ڈف نے محسوس کیا کہ تبلیغ کے روایتی طریقے، جو صرف نچلی

ذات کے غریب افراد تک محدود تھے، ناکام ہو چکے ہیں اور ایک ایسی مسیحی برادری پیدا کر رہے ہیں جو دوسروں کے لیے باعثِ کشش نہیں۔

ڈف نے 1830 میں کلکتہ میں اپنا پہلا اسکول کھولا، جسے غیر معمولی کامیابی ملی۔ جلد ہی اعلیٰ طبقے کے نوجوان انگریزی سیکھنے کے لیے ان کے اسکول آنے لگے۔ اس کامیابی نے ہندوستان میں تعلیمی پالیسی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ڈف کے تعلیمی کام کی بدولت کلکتہ کے کئی معزز اور اعلیٰ خاندانوں کے نوجوانوں نے مسیحیت قبول کی اور خواص نے بھی عیسائیت میں دلچسپی ظاہر کرنی شروع کر دی۔

اسی دور میں لارڈ بینٹنک (Lord Bentinck) نے کئی اہم سماجی اصلاحات کیں۔ انہوں نے **ستی کی رسم (بیواؤں کو جلانا) پر پابندی لگائی** (1829)، ٹھگوں کا خاتمہ کیا اور ہندوستانی مذاہب کی سرکاری سرپرستی ختم کرنے کے لیے قوانین متعارف کرائے۔ اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان اصلاحات کی مخالفت کی، لیکن برطانوی عوامی دباؤ کے تحت انہیں نافذ کیا گیا۔ 1845 میں ایک قانون (Lex Loci Act) کے ذریعے مذہب تبدیل کرنے پر جائیداد سے محرومی کا قانون بھی ختم کر دیا گیا، جس سے مسیحیت قبول کرنے والوں کو بڑا تحفظ ملا۔

مصنف نے کتاب کے باب چہارم میں ان چیلنجز کا ذکر کیا جو اس وقت کے عیسائی پادریوں کے سامنے ایک دیوار کی طرح تھیں۔ تحریر کرتے ہیں کہ اگرچہ برطانوی راج، جدید ذرائع آمدورفت، اور مغربی تعلیم نے مشنری سرگرمیوں کو آسان بنایا، مگر انہیں ہندومت کی گہری جڑوں، برہمنوں کے اثرورسوخ، ذات پات کے نظام، اور ہندو فلسفۂ وحدت الوجود جیسی گہری فکری رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ سب سے آسان مشنری ہدف قبائلی مذاہب تھے، لیکن ہندومت کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ فکری ٹکراؤ ایک بڑا چیلنج رہا۔

پھر باب پنجم میں مصنف نے پادریوں کے کام کے انداز کا بتایا کہ کس طرح اس وقت ہر قسم کے وسائل کو عیسائی تبلیغی کاموں کے لئے مختص کر دیا گیا۔ اس وقت:

- بائبل کے تراجم، مذہبی مباحثے، اور مقامی مسیحیوں کے لیے مواد تیار کیا گیا۔ یہ کام دو ادوار پر مشتمل تھا۔ پہلا دور انفرادی ماہرینِ لسانیات (جیسے فیبریشیس، کیری، ہنری مارٹن) کا تھا، اور دوسرا دور نظرِ ثانی کمیٹیوں (Revision Committees) کا، جنہوں نے ان تراجم کو مزید بہتر بنایا۔
- مشنریوں نے ہندوستان کے مذاہب، ذاتوں، رسوم و رواج اور زبانوں پر گہرا تحقیقی کام کیا اور ان کی گرائمر اور لغات مرتب کیں۔
- مقامی زبان میں تبلیغ کو فروغ دیا گیا اس سے عوامی جگہوں پر تبلیغ کا رجحان بڑھا اور "دیہاتی مشن" کا

تصور ابھرا۔

- تعلیمی نظام میں شمولیت پر مشنری حلقوں میں اختلاف رہا، مگر بالآخر تعلیم کو اہم ذریعہ تبلیغ مانا گیا۔ اور مشن سکولوں کا جال سارے ہندوستان میں پھیلایا گیا۔ گاؤں گاؤں لیکچرز اور طلباء کی تنظیموں کے ذریعے یہ کام ہوا۔
- پردے کی وجہ سے خواتین تک پہنچنے کے لیے عورتوں پر مشتمل تنظیمیں اور نظام قائم کیا گیا۔ جس سے عورتوں تک بھی رسائی ممکن ہو سکی۔

خواتین کے لیے خواتین کا کام: ہندوستانی معاشرے میں خواتین کا مقام اور ان سے متعلق رسوم و رواج، خاص طور پر پردے کا نظام، مرد مشنریز کے لیے ایک ناقابلِ عبور دیوار کی حیثیت رکھتا تھا۔ شمالی ہند میں، جہاں اسلام کا اثر زیادہ تھا، تقریباً 4 کروڑ خواتین زنان خانوں میں تھیں اور ان تک رسائی ناممکن تھی۔ اس وقت ہندوستان میں یہ تصور عام تھا کہ عورتوں کو تعلیم حاصل نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ علم صرف ناچنے والیوں (Nautch girls) کے لیے مخصوص تھا اور تعلیم یافتہ عورت کو بدنامی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کافی کوششیں کی گئیں، لیکن حقیقی پیشرفت 1819 میں "کلکتہ فیمیل جوینائل سوسائٹی" (Kolkata Female Juvenile Society) کے قیام سے ہوئی، جس کی روحِ رواں مسز مارش مین تھیں۔ انہوں نے کلکتہ میں لڑکیوں کے اسکولوں کا ایک وسیع جال بچھایا۔

1880 کے بعد خواتین مشنریوں کی تعداد اور ان کا دائرۂ کار تیزی سے بڑھا۔ بڑی تنظیموں جیسے C.E.Z.M.S. اور زنانہ بائبل اینڈ میڈیکل مشن نے پورے ہندوستان میں اسکول، ہسپتال اور تربیتی ادارے قائم کیے۔

طبی مشنز: Medical Missions

مشنریوں نے ابتدا ہی سے اپنے محدود طبی علم کو بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کیا۔ ہندوستان میں ڈاکٹروں کی ہمیشہ سے بہت عزت رہی ہے، اس لیے طبی خدمات کو تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا گیا۔ ڈاکٹر جان سکڈر جیسے ابتدائی طبی مشنریوں نے اس کی بنیاد رکھی، 1857 تک ہندوستان میں سات مستند طبی مشنری موجود تھے۔

1857 کے بعد، خاص طور پر اسکاٹ لینڈ کے مشنوں نے "تبلیغ کرو اور شفا دو" (Preach and Heal) کے نعرے کے تحت طبی کام کو منظم کیا۔ اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ اول: یہ کہ طبی خدمات کے ذریعے دیسی علاج یا توہم پرستی پر مبنی طریقۂ علاج کا خاتمہ کیا جا سکتا تھا۔ دوم: مقامی مسیحیوں کو بیماری کی صورت میں قابلِ اعتماد ڈاکٹر فراہم

کرنا ضروری تھا۔ مشنریوں نے پنجاب جیسے مشکل علاقوں میں رسائی کے لیے طبی خدمات کو ایک "چابی" کے طور پر استعمال کیا اور مقامی خواتین کو ڈاکٹر، نرس اور ڈسپنسر کی تربیت دینے کے لیے لدھیانہ میں ایک میڈیکل اسکول بھی قائم کیا۔

باب ششم میں مصنف نے انیسویں صدی میں ابھرنے والی نمایاں مذہبی تحریکات کا ذکر کیا اور ان کا اصرار ہے کہ سب کچھ "عیسائیت کے زیر اثر" ہوا۔ ان میں ایک "برہمو سماج" تھی، جس کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ انہوں نے 1827 میں برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ بت پرستی سے متنفر تھے اور ہندومت کی اصلاح چاہتے تھے۔ انہوں نے ویدوں (اپنشدوں) میں توحید کا تصور دریافت کیا۔ مصنف کے مطابق انہوں نے مسیحیت کا گہرا مطالعہ کیا، یہاں تک کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور معجزات کے قائل ہو گئے، تاہم انہوں نے کبھی مسیحیت قبول نہیں کی۔

ان کی وفات کے بعد دیبندر ناتھ ٹیگور نے برہمو سماج کی قیادت سنبھالی، جنھوں نے ویدوں کی الہامی حیثیت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں، کیشب چندر سین کی شمولیت سے تحریک میں ایک انقلابی اور ترقی پسند روح داخل ہوئی۔ مصنف کے مطابق کیشب مسیحیت سے شدید متاثر تھے اور بائبل کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ گردانتے تھے۔ ان کے انقلابی سماجی اصلاحات (ذات پات کا خاتمہ، بیواؤں کی شادی) پر اصرار کے باعث سماج دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ کیشب نے اپنے مشہور خطبے "جیسس کرائسٹ، یورپ اور ایشیا" میں حضرت عیسیٰؑ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا، لیکن جلد ہی وہ ایک "مشرقی مسیح" کا تصور پیش کرنے لگے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے "نیا نظامِ الہام" (New Dispensation) کے نام سے ایک نئے عالمگیر مذہب کا دعویٰ کیا۔

مصنف ہندوستان کو "مذہبی شعبدہ بازوں" کی آماجگاہ قرار دیتا ہے۔ اسی ضمن میں وہ مغرب سے آنے والی دو اہم تحریکوں کا ذکر کرتا ہے:

- ***تھیوسوفیکل سوسائٹی:*** اس کی بنیاد کرنل اولکاٹ (Olcott) اور مادام بلاواتسکی (Blavatsky) نے 1879 میں رکھی۔ مصنف کے مطابق انہوں نے ہندوؤں کی خوشامد کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ حقیقی حکمت مشرق میں ہے اور مغرب روحانی طور پر کھوکھلا ہے۔ انہوں نے مسیحیت کے خلاف شدید نفرت کو ہوا دی۔ ان کی جانشین اینی بیسنٹ نے ہندومت کی پرجوش وکالت کرتے ہوئے بت پرستی اور ذات پات کے نظام کا بھی دفاع کیا۔
- ***سوامی وویکانند*** (Swami Vivekananda): ایک اور عالمی شہرت یافتہ شخصیت سوامی وویکانند تھے، جنھوں نے 1893 میں شکاگو کی عالمی مذہبی کانگریس میں ہندو مذہب کا ایک جدید، مغربی اور مسیحی رنگ میں رنگا ہوا خاکہ پیش کیا۔ اور اعلان کیا کہ "انسان کو گناہگار کہنا اس کی فطرت پر بہتان ہے"۔

- **آریہ سماج:** مصنف آریہ سماج کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ آریہ سماج ایک ہندو مذہبی اور اصلاحی تحریک ہے جس کی بنیاد سوامی دیانند سرسوتی نے 10 اپریل 1875 کو بمبئی میں رکھی۔ دیانند کا نعرہ تھا **"ویدوں کی طرف واپس چلو"**۔ ان کا مقصد ہندو دھرم کو اس کی اصل ویدک تعلیمات کی طرف لوٹانا تھا۔ وہ بت پرستی، رسم ورواج وغیرہ کے شدید ناقد تھے۔

دیانند 1824 میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں انہوں نے بت پرستی سے انکار کر دیا جب انہوں نے مندر میں ایک مورتی پر چوہے دوڑتے دیکھے۔ وہ اکیس برس کی عمر میں شادی سے بچنے کے لیے گھر چھوڑ گئے اور تقریباً بیس سال تک سنیاسی کے طور پر علم کی تلاش میں رہے۔ بالآخر انہوں نے ایک نابینا عالم، سوامی ورجانند، سے تعلیم حاصل کی، جنہوں نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ صرف ویدوں پر یقین رکھیں گے۔

دیانند کا فلسفہ تین عناصر پر مبنی تھا: خدا، روح اور مادہ۔ وہ کرما اور تناسخ کے قائل تھے، حالانکہ مصنف کے مطابق ان کا ویدوں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں بنتا۔ دیانند یہاں تک دعویٰ کرتے تھے کہ جدید سائنسی ایجادات جیسے ریلوے اور ٹیلی گراف بھی ویدوں میں موجود تھے، لیکن ان کی تشریحات کو مصنف من گھڑت اور غیر سائنسی قرار دیتا ہے۔

ایک اور متنازع پہلو دیانند کا "نیوگ" کا تصور تھا، جسے مصنف "آزاد محبت" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق مرد و عورت کچھ مخصوص حالات میں شادی کے بغیر جنسی تعلق قائم کرسکتے ہیں، جو شدید تنقید کا نشانہ بنا۔

دیانند کی وفات 30 اکتوبر 1883 کو اجمیر میں ہوئی۔ آریہ سماج خصوصاً پنجاب اور شمالی ہندوستان میں مقبول ہوئی اور ہندو سماج میں اصلاحات کی ایک اہم علامت بن گئی۔

مصنف ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان ابھرنے والی دو اہم اصلاحی تحریکوں میں سے ایک سر سید احمد خان کی تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے عیسائیت اور مغربی تہذیب کے اثرات کا ردعمل قرار دیتا ہے۔ اس تحریک کا مرکز یوپی اور پنجاب تھے۔

سر سید احمد خان اور "نیا اسلام"

سر سید اور ان کے ہم خیال افراد جیسے چراغ علی اور امیر علی کا مقصد اسلام کو مغربی علوم، خصوصاً نیچرل سائنس کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تھا تاکہ وہ جدید ذہن کے لیے قابلِ قبول بن سکے۔ ان کی سوچ کو بعد میں "نیا اسلام" کا نام دیا گیا۔ مصنف ان کے بنیادی نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- **عقل کی برتری:** ان کے نزدیک عقل ہی واحد رہنما ہے، وحی وروایت نہیں۔

- **روایتی اسلام سے انحراف:** انہوں نے تیرہ صدیوں کی اسلامی تشریحات کو علماء کی غلطیوں پر مبنی قرار دیا۔
- **معجزات و الہام کا انکار:** وہ معجزات، پیشگوئیوں اور وحی جیسے عقائد کو فطری اصولوں کے خلاف سمجھتے تھے۔
- **نبوت کا تصور:** ان کے مطابق نبی کوئی آسمانی نمائندہ نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقی و روحانی سچائی کو دریافت کرنے والا شخص ہوتا ہے۔

مصنف اس تحریک کو "عام عقلیت پسندی کا اسلامی لبادہ" قرار دیتا ہے اور اسے ایک مصنوعی اصلاحی کوشش سمجھتا ہے، جو نہ روایتی دین سے وفادار ہے اور نہ ہی مکمل طور پر جدید مغربی نظام سے ہم آہنگ۔ مصنف کے مطابق قدامت پسند حلقوں نے اس کی شدید مخالفت کی، مگر سرسید نے ایک مضبوط پیروکار حلقہ پیدا کیا، جسے "نیچری" یا "سید احمدی" کہا جاتا تھا۔

سرسید کی سب سے بڑی عملی کامیابی 1878 میں علی گڑھ کالج کا قیام تھا، جو بعد میں مسلم یونیورسٹی بننے کی راہ پر گامزن ہوا۔ ان کی تحریک کا دائرہ تعلیم، خاص طور پر خواتین کی تعلیم اور سماجی اصلاحات تک پھیلا ہوا تھا۔

مصنف کے مطابق، سرسید کی تحریک اصل میں اسلامی اور مغربی تہذیب کے ٹکراؤ کا نتیجہ تھی۔ وہ سرسید کو مغربی برتری کا زندہ ثبوت اور مسلم ذہن میں پیدا ہونے والی ایک فکری تبدیلی کا نمائندہ قرار دیتا ہے۔

جماعت احمدیہ:

اس حد تک کتاب کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جب سے عیسائی پادری خواہ وہ کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے تھے یا کسی بھی چرچ کے نمائندہ بن کر آئے تو ان کو ہندوستان میں کسی بھی مذہبی گروہ کی طرف سے علمی مخالفت کا سامنانہ کرنا پڑا۔ بلکہ ان پادریوں نے اپنی دجالانہ چالوں کے ذریعے پورے ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے مشن کو پھیلایا۔ ہاں اگر ان عیسائی منادوں کو کسی کی طرف سے شدید علمی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ تو وہ صرف اور صرف ایک ہی وجود تھا اور وہ تھا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا وجود باجود۔ پادریوں نے اپنے حکمرانوں میں آپ علیہ السلام کی متعدد جھوٹی شکایات درج کروا کر انگریز حکومت کو آپ کے خلاف کر دیا تھا۔ اس وقت انگریز حکومت کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کو کہنا پڑا کہ:

[1]The Maulvi of Qadian has been under our observation for several years

1 Civil & Military Gazette 24 October 1894

در حقیقت اُس وقت کے مسیحی منادوں کو گمان تک نہ تھا کہ افقِ ہند سے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی صورت میں ایک ایسامرد میدان جلوہ گر ہو چکا ہے، جس کے استدلالی تیروں کے سامنے اُن کی عقلی چادریں ہوا میں اُڑ جائیں گی اور اُن کے دلائل کا وزن تنکوں سے بھی ہلکا محسوس ہو گا۔ جب لاہور کے بشپ جارج الفریڈ لیفرائے کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1900 میں بحث کی دعوت دی تو اس نے مقابلے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "میں انکار کرتا ہوں کہ مرزا غلام احمد صاحب کو کسی ایسے دوستانہ تعلق سے ملوں جیسا کہ آپ کی مجوزہ بحث کا نتیجہ ہو گا۔ اپنے آپ کو مسیح کہنے کی جرأت کرتے ہوئے مرزا صاحب بغیر کسی قسم کی سند کے اپنے لئے وہ نام اختیار کرتے ہیں جس سے ہم عیسائی کہلاتے ہیں اور جس کو ہم نہایت ہی گہرے ادب اور احترام کے جذبات سے دیکھتے ہیں اس طرح میرے نزدیک وہ اُس ہستی کی حد درجہ افسوسناک ہتک اور بے عزتی کرتے ہیں جس کی ہم اپنا آقا اور مالک سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ میں اُس شخص سے دوستانہ رنگ میں ملنے کے لئے رضا مند ہو جاؤں؟"[1] (اس جگہ ایک وضاحت نہایت ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ نام اختیار کرنے کی سند خود خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے یہ کہہ

"اِنِّیْ جَاعِلُكَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ وَكَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 426۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 426) کر عطا فرمائی۔ اس کے بعد کسی سرٹیفیکیٹ کی ضرورت باقی نہیں رہتی)۔

جب ہم کتاب کے اس حصے کا مطالعہ درج بالا اس تاریخی تناظر میں کرتے ہیں تو مصنف کی اسلام کے اس 'جری اللہ' سے بغض و عناد، اور شدید عداوت گہری معنویت کی حامل معلوم ہوتی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

A wild and confused mixture of elements, an extraordinary plant of the marshes, grown in the weed-covered labyrinth of Muhammadan theology

مختلف عناصر کا ایک اُلجھا ہوا اور بے ترتیب مجموعہ، دلدلی زمین کا ایک غیر معمولی پودا، جو اسلامی علمِ کلام کی گھاس پھوس سے بھری بھول بھلیوں میں اُگا ہو۔ (معاذ اللہ)

لیکن دوسری طرف والفضل ما شھدت بہ الاعداء کا مصداق مصنف یہ کہنے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے کہ:

"Ghulam is a remarkable man. He writes clever books, and in such elegant Urdu, Persian, and Arabic that he is able to challenge his opponents in the most graceful Arabic Literary articles to admit or to disprove his divine

1۔ ریویو آف ریلیجنز اردو 1902 صفحہ 353

mission; besides this he has also inaugurated an English magazine, The Review of Religions, the lengthy pages of which he fills almost single handedly".

(A History of Missions in India by Julius Richter D.D. Page 403)

(مرزا)غلام (احمد)ایک غیر معمولی شخصیت کے حامل ہیں۔ وہ ذہانت سے بھری ہوئی کتابیں نہایت شستہ اردو، فارسی اور عربی میں تحریر کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو انتہائی شائستہ عربی ادبی مضامین میں چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان کے "مامور من اللہ" ہونے کو تسلیم کریں یا اسے رد کریں۔ اس کے علاوہ، انہوں نے ایک انگریزی رسالہ، دی ریویو آف ریلیجنز The Review of Religions بھی شروع کیا ہے، جس کے طویل صفحات وہ تقریباً اکیلے ہی لکھتے ہیں۔ (مفہوماً ترجمہ)

مصنف لکھتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف عہد نامہ قدیم اور جدید کو اچھی طرح پڑھا ہے، بلکہ وہ کچھ ایسی apocryphal تحریرات سے بھی واقف ہیں جیسے کہ مثال کے طور پر روسی مصنف نکولس نوٹووچ (Nicolas Notovitch) کی کتاب The Unknown Life of Christ سے بھی اور "برنباس کی انجیل"۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصنف کے مذہب عیسائیت پر ان کی اپنی ہی تحریرات سے بڑی کاری ضرب لگائی تھی اس لئے مصنف اپنے تجزیے میں لکھتا ہے کہ وہ ان تحریرات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے۔

مصنف لکھتے ہیں کہ (حضرت) مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اپنے وعدے کے مطابق واپس آئے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے مہدی موعود بھی ہیں، ایک ہی وقت میں! اور یہ دیکھنا واقعی سب سے زیادہ قابل ذکر ہے کہ وہ اس طرح کے بلند دعوؤں کو کیسے درست ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ وہی مسیح ہیں جو انیس سو سال پہلے فلسطین میں رہتے تھے، وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ "مسیح کی روح اور طاقت میں" آئے ہیں بالکل اسی طرح جیسے یوحنا (The Baptist)، کے اپنے الفاظ میں، "ایلیاہ کی روح اور طاقت میں" آئے تھے۔ ویسے مصنف کے لئے اس مثال سے اس موضوع کو سمجھنا بہت آسان تھا۔ عقلمند را اشارہ کافی است۔

مصنف تحریر کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عیسائیوں کو بتاتے ہیں کہ ہماری قیامت کی امید غلط ہے، مسیح صلیب پر نہیں مرے، بلکہ وہاں چند گھنٹے رہنے کے بعد بظاہر مردہ حالت میں اتارے گئے، شاگردوں نے ان کے زخموں کو چند دنوں میں ایک انتہائی حیرت انگیز مرہم، "مرہم عیسیٰ" یا Jesus Ointment سے ٹھیک کر دیا، جو آج بھی ہندوستان میں ایک کرشماتی (دوائی کے) طور پر فروخت ہوتا ہے، پھر یسوع ہندوستان تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے 120 سال کی عمر میں سری نگر میں وفات پائی۔ وہ وہاں خان یار اسٹریٹ میں دفن ہوئے، جہاں "یوسف آسف" (یعنی یوسا،

یسوع، آسف (عبرانی)، جمع کرنے والا، یعنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کا یا دوسرے لفظوں میں، اسرائیل کے دس کھوئے ہوئے قبائل کا تلاش کرنے والا، مصنف لکھتے ہیں کہ مقامی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ گلی میں کسی جدید مسلمان بزرگ کی قبر موجود ہے، جیسی کہ ہزاروں کی تعداد میں پورے مسلم دنیا میں پائی جاتی ہیں) کی قبر کی آج بھی نشاندہی کی جاتی ہے۔

مصنف تحریر کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ: اللہ نے پہلے (حضرت) موسیٰ کو اسرائیل کے لیے شرعی نبی بنا کر بھیجا، پھر، تقریباً 1400 سال بعد، (حضرت) مسیح کو۔ پھر استثنا میں، موسیٰ جیسے ایک نبی کا وعدہ اس کے "بھائیوں" میں سے کیا گیا ہے، جو یقیناً اسماعیلی ہیں، یہ نبی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، جو اسماعیلیوں کے موسیٰ تھے، اس طرح، اگر اسماعیل کو ایک موسیٰ ملنا تھا، تو خدا کو یقیناً اس موسیٰ کے 1400 سال بعد ایک مسیح بھیجنا تھا، اور (مرزا) غلام (احمد)، ہی وہ مسیح ہیں۔ چھٹے دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، اب خدا کے ہاں ایک ہزار سال ایک دن کے برابر ہیں، نتیجتاً ایک ہزار سال کے چھٹے دور کے آغاز میں خدا کو دوسرا آدم پیدا کرنا تھا، اور یقیناً وہ (مرزا) غلام (احمد) ہی وہ دوسرے آدم ہیں۔ جس طرح خدا نے آدم کو "مشرق کی طرف" ایک باغ میں رکھا (پیدائش) اسی طرح ایک قدرتی امر کے طور پر دوسرا آدم صرف مشرق میں یعنی ہندوستان میں، ظاہر ہو سکتا تھا۔

مصنف نے اپنی کتاب میں ریویو آف ریلیجنز کے ایک اقتباس میں کچھ فقرات کے تغیر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جیسے لکھا "میں خداوند کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے اعلیٰ مقام کی گواہی دینے والے خدا کے الفاظ انجیل میں یسوع سے متعلق الفاظ سے کہیں زیادہ وزنی اور کہیں زیادہ قابل تعریف ہیں" (ریویو آف ریلیجنز، مئی 1902، صفحہ 206 انگریزی)

مصنف لکھتے ہیں کہ: تو پھر قادیان کے مرزا صاحب کے معجزات ہیں کیا؟ ان کا پسندیدہ طریقہ ان تمام لوگوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں، جلد موت کی دھمکی دینا رہا ہے، اور ان کے اس سلوک کی وجہ سے انگریزی حکومت نے آخر کار انہیں ایک دستاویز پر دستخط کرنے پر مجبور کیا جس میں انہوں نے واضح طور پر وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی کسی شخص کو خدا کے قہر اور فوری فنا کی دھمکی نہیں دیں گے۔

مصنف تحریر کرتے ہیں کہ پہلی نظر میں ہم یہ کہنے پر مائل ہیں کہ (مرزا) غلام (احمد) پاگل تھے اور جنون میں مبتلا تھے (مصنف نے یہ فقرہ لکھ کر خدا کے فرستادوں پر لگائے جانے والے اعتراض کو ایک مرتبہ پھر زندہ کر دیا کہ جس میں حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں)۔

مصنف حضور علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر گریسولڈ (Rev. Dr. Griswold)، لاہور کے پادری، جنہوں نے انکی اور ان کی تحریرات کا بہت گہرائی (most thoroughly) سے مطالعہ کیا ہے، جو انہیں

ذاتی طور پر بھی جانتے ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مشن کی سچائی پر انتہائی ایمانداری سے قائل تھے، اور یہ کہ وہ اپنے پیروکاروں میں بھی یہی یقین پیدا کرنے کے قابل تھے۔ اس کے علاوہ، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ محض مسلم دنیا میں دورِ حاضر کی ایک علامت ہیں، جس کے اندر ہی انہوں نے شہرت حاصل کی اور مرید بنائے۔(History of In-dian Missions Page 404)۔ مصنف کتاب کا یہ کہنا کہ پادری گرسولڈ نے آپ علیہ السلام کی کتب کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا درست معلوم نہیں ہوتا، مطالعہ کیا تھا کی حد تک درست بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کی اس موضوع سے متعلق دو تصنیفات ملتی۔ ایک 30 صفحات پر مشتمل ہے جس میں پہلے 22 صفحات پر جماعت احمدیہ کا ذکر ہے اس کے بعد دوسری تحریکات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب دراصل ایک تقریر ہے جو محض 15 صفحات پر مشتمل ہے۔ پادری صاحب کی حضور علیہ السلام سے ملاقات ثابت ہے مگر اس وقت اس نے حضور علیہ السلام کی کتب کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا یہ بات ان کی ان تحریرات سے ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اس وقت پادری صاحب نے ریویو آف ریلیجنز انگریزی 1902 کا شمارہ اس کتاب کے لئے استعمال کیا، مرہم عیسیٰ اور وفات مسیح کے تناظر میں کتاب کشف الغطاء کا ذکر کیا، توضیح مرام، جہاد اور طاعون کے تناظر میں ضرورۃ الامام اور دافع البلاء سے کچھ حوالہ جات استعمال کئے۔ ایک مامور من اللہ جنہوں نے اپنی زندگی میں کم و بیش 100 کے قریب کتب تحریر فرمائیں جن میں سے بعض سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان کی محض دو چار مختصر تصنیفات کا مطالعہ کر کے یہ کہنا کہ گریسولڈ نے حضرت مرزا صاحب کی کتب کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے درست نہیں ٹھہرتا۔ اور یہ بھی اہم بات ہے کہ اس وقت ان کتب کے انگریزی تراجم بھی میسر نہ تھے۔ پادری صاحب نے اردو کتب سے کس حد تک استفادہ کیا یہ بھی ایک سوال ہے۔ پس گہری تحقیق والا عنصر تو خالی دکھائی دیتا ہے ہاں اس وقت ایک عیسائی پادری کا خود سے قادیان پہنچنا، اپنے انداز میں تحقیق کرنا اور پھر اپنی سمجھ کے مطابق اس کو تحریر بھی کرنا، لیکچرز میں ذکر بھی کرنا ایک مستحسن فعل ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پادری گرسولڈ کی کچھ تفصیل بیان کر دی جائے۔ پادری صاحب نے 1902 میں Mirza Ghulam Ahmad. The Mehdi Messiah of Qadian کے نام کتاب شائع کی۔ پادری صاحب کا مکمل نام The Rev. Hervey De Witt Griswold ۔ کتاب کے کل صفحات: 32 ہیں پادری صاحب کا سوانحی تعارف یہ ہے کہ آپ [ایف سی/ F.C.College] The Forman Christian College, Lahore میں متعین تھے۔ پی ایچ ڈی تھے۔

24 مئی 1860ء میں پیدا ہوئے اور 11 مئی 1945ء میں وفات پائی۔ والد کا نام Benjamin Griswold اور والدہ کا نام Frances Sheldon Griswold تھا۔ بیوی کا نام Laura Eliza Hurd Griswold

تھا۔ گرسوولڈ کی تدفین Green Hills Cemetery Dryden Tompkins County New York, USA میں ہوئی۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن The American Tract Society Lodiana نے لدھیانہ مشن پریس سے شائع کیا۔ یہ مختصر سی کتاب بنیادی طور پر پادری صاحب نے احمدیہ جماعت کے عقائد کی تردید کے حوالے سے لکھی ہے خصوصاً عیسائیت کے نقطۂ نگاہ سے اور کچھ تجاویز بھی کتاب کے آخر میں دی ہیں کہ کس طرح جماعت احمدیہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر چند کہ یہ مصنف عیسائیت کے عقائد کے دفاع کے لئے ہر ممکن حربے جماعت احمدیہ کے عقائد کی تردید کے لئے سوچتا ہے اور اس میں بیان کرتا ہے لیکن ایک جگہ وہ یہ بحث اٹھاتا ہے۔ جو دلچسپ ہے:

As regards those who are outside the Qadiani Camp, all, so far as I know, whether Hindus, Aryas, Muhammadans or Christian, are at one in regarding the Mirza Sahib as a deceiver; but they do not agree as to the nature of his deception, whether it is conscious or unconscious. The opinions, on this point, concerning him may be summed up under three judgments: (1) that he is a conscious deceiver, (2) that he is insane, (3)that he is self-deluded. The opinion of the late Dr.Imad-ud-Din is that the Mirza sahib is an out and out fraud. He pronounce him a cunning schemer [chalak].........on the whole, however, it seems to me that the third judgment is the safest one, namely that the Mirza sahib is honest, but self-deceived. So far as I am able to judge, his writings everywhere have the ring of sincerity.(Page:25-26)

ترجمہ: جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو قادیانی نہیں ہیں خواہ وہ ہندو، آریہ، مسلمان یا عیسائی ہوں، جہاں تک میں جانتا ہوں وہ سب اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ مرزا صاحب دھوکہ باز ہیں۔ تاہم وہ ان کی دھوکہ دہی کی حقیقت کے بارے میں کہ آیا وہ شعوری ہے یا غیر شعوری مختلف الرائے ہیں۔ ان کے متعلق پائے جانے والے اس قسم کے نظریات کو تین آراء میں سمیٹا جا سکتا ہے:

1۔ وہ ارادتاً دھوکہ دہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

2۔ وہ مجنون ہیں۔

3۔ وہ خود فریبی کا شکار ہیں۔

ڈاکٹر عماد الدین متوفیٰ کا موقف ہے کہ مرزا صاحب کھلم کھلا فریبی ہیں۔ وہ انہیں ایک مکار منصوبہ ساز قرار دیتا ہے... تاہم مجموعی طور پر تیسری رائے میرے خیال میں سب سے زیادہ معقول نظر آتی ہے۔ یعنی کہ مرزا صاحب

ایک دیانت دار شخص ہیں لیکن خود فریبی کا شکار ہیں۔ جہاں تک میں انہیں جانچ سکا ہوں ان کی تحریرات میں جابجا اخلاص کی جھلک نظر آتی ہے۔

اس کتاب کے مصنف قادیان آکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے مل بھی چکے تھے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

I heard from his own lips at Qadian. (Page:5)

ترجمہ: یعنی یہ (باتیں) میں نے ان کے ہونٹوں سے قادیان میں سنی ہیں۔

پادری گریسولڈ کی دوسری کتاب The Messiah of Qadian یہ دراصل ایک لیکچر ہے جو انہوں نے The Victoria Institute of Philosophical Society of Great Britain, 8, Adelphi Terrace, Strand, London, W.C. میں 15 مئی 1905ء میں پڑھنا تھا۔ یہ لیکچر غالباً پہلے سے طبع ہو چکا تھا کیونکہ جو کاپی خاکسار کے پاس موجود ہے، جو انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے: Author's Copy البتہ یہ لیکچر گرسوولڈ نے پڑھا نہیں بلکہ اس کی جگہ اس اجلاس کے سیکرٹری صاحب نے پڑھا۔ 18 صفحات کی اس کتاب کے آخری پانچ صفحات پر Discussion ہے جس میں حاضر عمائدین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور عقائد وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ یہ ایک دلچسپ بحث ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ (احمد علیہ السلام سیرت و سوانح جلد اول غیر مطبوعہ۔ از عبد الستار صاحب)۔

مصنف لکھتے ہیں کہ مقامی عیسائیوں، یا حتیٰ کہ ہندوستان میں مقیم انگریزوں کو بھی اپنے مشن کی صداقت پر قائل کرنے کی ان کی تمام کوششیں بری طرح ناکام ہوئی ہیں۔ (یہ دعویٰ کرتے ہوئے مصنف شاید حضرت مرزا صاحب کی ان فتوحات کو یکدم بھول گئے جو عیسائیوں کے مقابل پر آپ کو حاصل ہوئیں، ان میں مشہور ماہر موسمیات اور ماہر ہیئت دان پروفیسر کلیمنٹ لنڈلے ریگ، الیگزینڈر رسل ویب اسلام کی صداقت کے قائل ہونے والے گروہ کے سرخیل پھر خدا کی قہری تجلی کا باعث بننے والے ڈوئی، عبد اللہ آتھم پھر ان کے دست راست پادری رائٹ اور ٹامس ہاول اور پادری فورمین سب اسی قبیل کے باشندے ہیں۔ لیکن ان فتوحات کے علاوہ علمی میدان میں جو فتوحات آپ علیہ السلام کو حاصل ہوئیں اس کا گواہ ایک زمانہ ہے اور بے شمار عیسائیوں میں نیک فطرت لوگ حلقہ بگوش اسلام احمدیت ہوئے جن میں رئیس کپورتھلہ کرنیل الطاف علی خان صاحب، جو عیسائیوں کے ساتھ مباحثہ کے دوران ان کے کیمپ سے اٹھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کیمپ میں شامل ہو گئے) شمالی ہند کے اسلام کی پیداوار کے طور پر، مرزا (صاحب) یقینی طور پر ایک انتہائی قابل ذکر شخصیت ہیں۔

مصنف لکھتے ہیں کہ: بات کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی نوٹ کرنا چاہیے کہ بائبل اور عیسائی عقیدے نے مسلمانوں پر اس حد تک غلبہ حاصل کر لیا ہے کہ وہ اپنا مقام بر قرار رکھنے کے لیے اس طرح کی اور اسی طرح کی نرالی کوششوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مرزا نے شروع سے آخر تک ہر مسیحی چیز کے لیے، خاص طور پر مسیحی مشنریوں کے لیے، انتہائی تلخ نفرت کا مظاہرہ کیا ہے، اور یہاں تک کہ یسوع کی انتہائی قابل مذمت انداز میں توہین کرنے کی گستاخی سے بھی باز نہیں آئے، جن کی روح اور طاقت میں آنے کا وہ دکھاوا کرتے ہیں، اور جن کی ہو بہو شبیہ (مثیلِ مسیح) کہلانا وہ اصل میں پسند کرتے تھے۔ (مصنف نے چونکہ خود حضرت صاحب کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا اس وجہ سے وہ اس غلطی کا شکار ہو گئے ورنہ آپ علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں بڑی وضاحت سے تحریر فرمایا ہے کہ ”ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور اُن کی نبوت پر ایمان لاویں۔“[1] پھر فرماتے ہیں: ”جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا؟ کیونکہ اس سے تو خود میرا برا ہونا لازم آتا ہے“[2]

اور ”ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی نے مع تمام لوازم کے کیا ہے۔“[3]

مصنف لکھتے ہیں کہ قدامت پسند مسلمانوں نے مرزا غلام (احمد صاحب) اور ان کے پیروکاروں کے خلاف ایک واضح مخالفت کا مؤقف اختیار کیا ہے۔ ان کے مطابق ان کی تعلیمات ہر موضوع پر اسلام کے مسلمہ عقائد سے تجاوز کرتی ہیں۔ نئی مردم شماری کے مطابق ان کے پندرہ سال سے زیادہ عمر کے 1113 مرید ہیں۔ ڈاکٹر گریسولڈ کے نزدیک یہ تعداد اندازاً زیادہ سے زیادہ دس ہزار نفوس ہے، تاہم، ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ یہ اب بھی کافی حد تک بڑھ سکتی ہے۔ (مرزا) غلام احمد (صاحب) کی حالیہ وفات 1908ء تحریک کے لیے ایک سنگین دھچکا ثابت ہو سکتی ہے۔

(اس مضمون میں انگریزی تحریرات کو من و عن اردو میں منتقل نہیں کیا گیا بلکہ صرف مضمون اخذ کیا گیا ہے)

1 روحانی خزائن جلد 14۔ ایام الصلح صفحہ 228

2 روحانی خزائن جلد 14 کشف الغطاء صفحہ 226 حاشیہ

3 مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 216۔ 28 فروری 1897ء

زمین پر زندگی کی ابتداء اور خدا کا ”ہاتھ“

(آخری قسط)

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

نظام کائنات میں سے زندگی کا کرۂ زمین پر موجود ہونا خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت ہے جو ہر غور اور فکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ بد قسمتی سے دہریت کے حامی اس نہایت خوبصورت دلیل ہستی باری تعالیٰ کو ایک اندھے ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسا اتفاق جو کائنات کی بے ترتیبی اور اندھا دھند پھیلاؤ کے نتیجہ میں ظہور میں آیا۔ زیر نظر مضمون ایسی ہی سوچ کا ایک محققانہ جواب ہے جس میں بالتفصیل اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ گزشتہ اقساط میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح بیرونی کائنات میں زندگی کی ابتداء ہوئی، پھر زمین پر وہ ماحول پیدا ہوا کہ جس کی موجودگی زندگی کی ابتداء کے لئے ضروری تھی اور اس کے بعد کس طرح ایک خاص مقدار میں اور خاص ترتیب کے ساتھ کیمیکلز نے پروٹینز کو بنایا۔ ہم نے دیکھا کہ قرآن مجید نے ان تمام مراحل کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہوا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بعد کے مراحل بھی کیسے نپے تلے اور محتاط تھے جو ایک عظیم خالق کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں۔

چکنی مٹی کی خوبصورتی اور RNA کی دنیا

جب تک قدرت کے عجائبات کا نظارہ نہیں کیا جاتا اور غور و فکر سے کام نہیں لیا جاتا تب تک اُن کی اہمیت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ زندگی کی ابتدا کے لئے جو چکنی مٹی کا اتنا ذکر کیا گیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ساخت میں ایک عجیب حُسن پنہاں ہے۔ جس طرح روشنی والی تخلیق چاند ستارے یا جگنو، روشنی دینے والے بکٹیریا یا مچھلیاں اس کے علاوہ اور بہت سے جاندار اسی طرح بے جان چیزوں کی بناوٹ میں بہت بڑی کاریگری ہے جو سطحی طور پر دیکھنے سے نہیں بلکہ بڑی تفصیل سے دیکھی جائے تو عجائبات کی دنیا نظر آنے لگتی ہے۔ چکنی مٹی پر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کی ساخت غیر معمولی ہے۔ جب پانی (جو اس کے ساتھ بھی موجود ہے) اور روشنی اس سے interact کرے تو یہ بہت

خوبصورت shapes کے crystals بناتی ہے۔

نیو یارک یونیورسٹی کے شعبہ Molecular Design سے منسلک پروفیسر Bart Kahr نے 2012 میں بہت سے مقالہ جات میں مٹی کے crystals کے بارے میں بتایا کہ جب اسکی بناوٹ کو X-rays crystallogra-phy سے مطالعہ کیا گیا تو اسکی بہت خوبصورت اور ترتیب کے لحاظ سے نہایت نفیس شکلیں نظر آئیں جس سے معلوم ہوا کہ چونکہ بنیادی طور پر atoms, ions کے لیول پر ہی بڑی precision ہے اس لئے clay کی شکل میں، جب پانی ملتا ہے، اُسی لیول سے بہت orderly طریقے سے اس کے crystals بنتے ہیں۔ پھر ان crystals کی growth بھی بہت ترتیب اور طریقے سے ہوتی ہے- جس طرح چٹانوں میں مختلف معدنیات (minerals) کے بہترین نمونے بنتے ہیں، اسی طرح چکنی مٹی میں بھی نہایت منفرد کرسٹلز (crystals)، شیٹس (sheets) کی شکلیں اور OH یعنی ہائیڈروکسل آئنز (hydroxyl ions) پانی کی موجودگی کی وجہ سے تشکیل پاتے ہیں۔ قرآن میں اسی چکنی مٹی کا ذکر ہے۔ اس میں Iron, Aluminum اور Magnesium کی موجودگی نے چھوٹے molecules کو جڑنے میں مدد دی پس clay کی ساخت کی وجہ سے یہ خاصتیں معلوم ہوتی ہیں۔اس کی Layered sheets اور اسکے بہت چھوٹے سائز کے particles کی وجہ سے اس کا Surface area بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ بہت سے molecules کو attract کرتا ہے اس میں plasticity ہے اور یہ پانی کو جذب کر لیتی ہے۔ چکنی مٹی میں کیٹا ئنز (Cations) کے تبادلے (exchange property) کی خاصیت پائی جاتی ہے، یعنی ایسے ایٹم یا آئن جن سے ایک الیکٹران نکل جائے اور ان پر مثبت چارج آجائے، مثلاً سلیکون (Silicon)، ایلومینیم (Al+) اور ہائیڈروجن (H+) یہ خاصیت کیمیائی عمل کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اس میں مالیکیولز کو منتخب (select) کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے، اسی وجہ سے "L" قسم کے امائنو ایسڈز اور "D" قسم کی شکر (sugars) اس کی سطح پر چپک سکتے ہیں۔ اس کی چارجڈ سطح پر امائنو ایسڈز اور نیوکلیوٹائیڈز جمع ہو جاتے ہیں۔ زنک (Zn) اور آئرن (Fe) کی موجودگی اس عمل کو مزید مؤثر بناتی ہے۔

اس کی تہہ دار (layered) ساخت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف مختلف کیمیکلز، بشمول پانی کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے بلکہ انہیں برقرار (retain) بھی رکھتی ہے، تاکہ کیمیائی عمل مسلسل جاری رہ سکے۔ clay میں گرمی (radiations) سے بھی glue جیسی خاصیت آتی ہے اور کیمیائی عمل میں مدد ملتی ہے۔ Clay میں ایسی خوبی ہے کہ آج بھی nerves اور muscles کو آرام پہنچانے اور stress کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چکنی مٹی حرارت کو absorb نہیں کرتی کیونکہ یہ poor conductor of heat ہے اس لئے ٹھنڈی رہتی ہے۔ یہ خاصیت

بھی اس پر ہونے والے reactions کو آرام سے مکمل ہونے میں مدد گار ہوتی ہے۔

چکنی مٹی کی ایک سب سے اہم قابلیت جو Cairns Smith نے بتائی تھی اور پہلے بھی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے وہ اس کی crystals کی replicate کرنے کی خاصیت ہے اسی لئے ارتقا کے metabolism میں اس نے کام کیا۔ اور اس طرح اُس process کو ہونے میں مدد دی (اپنی catalytic activity کے ذریعے) اور RNA بنا۔

(Clay Minerals and the Origin of Life by Alexander Graham Cairns-SmithCambridge University Press 1986)

چکنی مٹی کی یہ خاصیت (جو پہلے Cairns Smith نے بتائی تھی) کہ اسکی crystals "یادداشت" رکھتی ہیں اور template کے طور پر دوسرے molecule کو ٹرانسفر کر دیتی ہیں۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ چکنی مٹی ہی نے یہ خوبی RNA کو دی ہو اور شروع میں RNA نے یہی کام کیا ہو اور اس طرح DNA بننے میں مدد ملی۔ ایک ریسرچ کرنے والے Andre Brack نے اپنے طور پر تحقیق کر کے بتایا۔

(The Chemistry of Life's Origins By André BRACK published by Kluwer Academic Publisher)

اور دوسرے محققین Bertrand-Urbaniak M. Baillot Barbier نے بھی اس کی تصدیق کی ۔ اسی سے "RNA World" کا نظریہ سامنے آیا۔ انہی کی ریسرچ ہے کہ زندگی کی ابتدا میں clay نے lipids بنانے میں مدد کی ہو گی۔ پس clay کی کیمسٹری نے Origin of Life میں مدد کی نہ یہ کہ پانی میں یا ساحل سمندر کے ponds میں Organic molecules خود بخود مل گئے تھے۔ یہاں بھی Darwin اور اُس کے طرفدار دہریہ غلط ثابت ہوتے ہیں۔ ڈارون نے polymerization کا کوئی نظریہ پیش نہیں کیا وہ صرف تصورات اور خیالات کی باتیں کرتا ہے یا اپنے محدود مشاہدات کی بنیاد پر حقائق سے صرف نظر کر جاتا ہے۔

سائنس دان خیال کرتے ہیں کہ RNA وہ پہلا molecule تھا جس میں زندگی کی ابتدا میں genetic information بھی تھی اور وہ catalytic یعنی کیمیائی عمل کو تیز کرنے کی خاصیت بھی رکھتا تھا آج بھی cells میں RNA ایسا ہی کام کرتا ہے۔

RNA تین طرح کا ہوتا ہے- tRNA, mRNA اور rRNA اس لئے غالباً ماضی میں بھی self replication سے اور RNA بنتے ہوں گے۔ کچھ سائنس دانوں نے تجربہ گاہ میں ایک تجربہ کیا۔ انہوں نے ٹیسٹ ٹیوب میں RNA کے نیوکلیوٹائیڈز (nucleotides) شامل کیے اور ردِ عمل کو تیز کرنے کے لیے زنک (Zinc) بھی ڈالا۔

نتیجتاً ایسے RNA سالمات تشکیل پائے جن کی لمبائی دس نیو کلیوٹائیڈز تک تھی، بلکہ بعض صورتوں میں یہ لمبائی چالیس نیو کلیوٹائیڈز تک بھی پہنچ گئی۔ لیکن تجربہ گاہوں میں سائنس دان اپنی مرضی سے حالات اور conditions کو کنٹرول کرتے ہیں لیکن ماضی میں ایسے نہ تھا۔ البتہ cell کے اندر کی مشینری میں RNA جو کام کر رہا ہے اُس سے یہ ضرور علم ہو جاتا ہے کہ ماضی میں قدرتی حالات کیسے ہوں گے اور کیا ہو رہا ہو گا۔

RNA کی تین خوبیاں ہیں

1. اس میں genetic information ہے۔

2. آج بھی cell میں یہ enzymes کی طرح کام کرتا ہے اس RNA کو ribozyme کہتے ہیں۔ Ribozymes, mRNA, tRNA اور rRNA بناتے ہیں۔

3. RNA پروٹین بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اس لئے cells کی evolution سے قبل (یعنی تقریباً 4 بلین سال قبل) RNA نے catalyst کی طرح کام کیا ہو گا اور بہت سے RNA ان rock pools میں بنے ہوں گے جو کم گہرے (Shallow) تھے ارتقا کے اگلے مرحلے میں RNA کی information زیادہ اہم DNA میں منتقل ہوئی اور double helix بنا جبکہ RNA کا single strand ہوتا ہے البتہ DNA زیادہ stable ہے اور RNA کی نسبت کم reactive بھی ہے۔ اسی خاصیت کی وجہ سے DNA کو genetic information کو store کرنے کے معاملہ میں RNA پر فوقیت حاصل ہے۔

بہر حال ابھی بات ہو رہی ہے RNA کی۔ شروع میں اس کا بننا ضروری تھا تاکہ protein بن سکے۔ ان دونوں کے اکٹھا ہونے سے Virus بنے یعنی retrovirus جیسے کہ COVID-19 - اسی Virus نے ہمیں بتایا کہ اس کے RNA سے host cell کے اندر DNA بنے گا اور پروٹین بھی بنے گی تاکہ مزید Viruses کی popula-tion بن سکے

جرمن سائنس دان Gunter Wachtershauser نے ایک article میں، جس کا عنوان

The Origin and Early Evolution of RNA

ہے بتایا شروع میں جو ارتقا Biochemical تھا اُس میں (Fe) iron اور Sulphur کے علاوہ کچھ اور minerals جیسے pyrite نے بھی مدد کی ہو گی جس کے نتیجہ میں RNA بنا اور اسی compound میں پہلی genet-ic information تھی۔ اسی سے مزید ارتقا کی stages کام کرنے لگیں Nicholas Hud جو Georgia Tech

میں کیمسٹری کے Centre of Chemical Evolution کا پروفیسر اور ڈائریکٹر ہے اس نے کہا کہ ہم تجربہ گاہ میں RNA کو نہیں بنا سکتے کیونکہ اس پر جو تحریر (genetic information) ہے وہ بہت درست اور ترتیب سے ہوتی ہے اس کا مطلب RNA ارتقا کے عمل سے گزر کر ہی بنا ہو گا Hud نے یہ بھی کہا کہ اس primitive RNA نے replicate کر کے بہتر اور جدید modern RNA بنائے۔ یہی ارتقا تھا جو پھر آگے cells میں منتقل ہوا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ extreme بکٹیریا اوپر سے بن کر آئے جن کو Archaea کہتے ہیں۔ ان کا بھی زمین پر آنا کسی مقصد کے لئے تھا اور وہ جن extreme حالات میں اور غیر معمولی جگہوں پر رہتے تھے وہیں انہوں نے RNA کو بنانے میں مدد کی ہو گی جس کا ذکر قرآن میں حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ اور كَالْفَخَّارِ کے الفاظ میں ملتا ہے۔ ہر مالیکیول کی نزاکت، ترتیب اور درستگی (precision and accuracy) اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مونومرز، جیسے امائنو ایسڈز یا نیوکلیوٹائیڈز، کا خود بخود مل کر ایک نہایت منظم اور درست پولی پیپٹائیڈ (جیسے پروٹین) یا پولی نیوکلیوٹائیڈ (جیسے RNA) بنا لینا انتہائی بعید از امکان ہے۔ یہ تصور کہ بے شمار بے ترتیب (haphazard) مرکبات بنیں اور اتفاقاً ان میں سے ایک درست ساخت وجود میں آ جائے، اس کا احتمال (probability) اربوں کھربوں میں ایک بھی نہیں بلکہ عملاً صفر کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ پس زندگی کی ابتدا سے ہی خالق کا ہاتھ اُسکی طاقت تخلیق کے لئے کام کر رہی تھی وہ پروٹین ہو یا RNA آج بھی cells میں پروٹین بننے کا عمل بہت پیچیدہ ہے چہ جائیکہ یہ سب کا سب خود بخود ہو جائے۔ البتہ یہ کہ RNA ابتدائی زندگی بنانے کے لئے بہت اہم ہے اس کو اب سبھی سائنس دان تسلیم کرتے ہیں کیونکہ مشہور نوبل انعام یافتہ اور Harvard University کے سابقہ genetics کے پروفیسر Jack W. Szostak نے کہا کہ جو عام خیال ہے کہ شروع میں "RNA World" تھی وہ اسی لئے درست ہے کہ genetic continuity کو یقینی بنایا گیا اور اس بات کو بھی کہ RNA اپنے جیسی replication بنائے اور تخلیق کا یہ عمل copies کے ذریعہ سے ہی ممکن تھا۔ اسی سے diversity بھی آتی ہے جو سبھی جانداروں کی موجودگی سے عیاں ہے کہ ہر ایک کا اپنا اپنا genetic makeup ہے جو نسل در نسل چلتا چلا آ رہا ہے۔

Protocell

زندگی بننے کے عمل میں polymers بننے کا ارتقا آسان نہ تھا یعنی آج کے سائنس دان اس کو معجزہ ہی سمجھتے ہیں، جب RNA اور پروٹین کی بہت سی اقسام بن چکیں تو ان کو اکٹھا ہو کر صحیح طریقے سے ایک سادہ سا cell بنانے کے لئے بھی lipids کا بننا ضروری تھا جو ان Chemicals کے ارد گرد ایک envelope بناتے تا کہ یہ پانی میں ضائع

ہونے سے بچ جاتے۔ یہ سب سے سادہ Cell ہی سب سے پہلے بنا ہو گا اور یہی سائنس دان خیال کرتے ہیں۔

"Protocell" بنانے کے لئے organic polymers اکٹھے ہوئے ہوں گے لیکن اس کے "زندہ" (-liv ing) ہونے کا مرحلہ ابھی بھی سائنس دانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے چنانچہ Erin O'Donnell کے ایک مضمون (جو "How Life Began" میں Havard Magzine کے جولائی اگست 2019 میں چھپا تھا) اسی معمہ" کے بارے میں مشہور سائنسدان Jack W. Szostak کے حوالہ سے ذکر کیا تھا کہ وہ اور اس کی ٹیم اسی پہیلی (Riddle) کو حل کرنے کے لئے سنہ 2000 سے کام کر رہے ہیں کہ

یہ polymers (protein, ribosome RNA) کس طرح اکٹھے ہوئے

کیا ہوا کہ اس "Protocoll" یا "Protobionts" میں کچھ reactions ہونے لگے

اور یہ کیسے ارتقا کا سفر کر کے طے ہوا جو ایک بہت لمبی چھلانگ ہے کہ DNA بھی بنا بے شک simple circular (جیسا کہ بکٹیریا یا Prokaryotes میں)

. اور کیسے وہ DNA اپنی "copies" بناتا تھا جس طرح آج cell میں یہ عمل ہوتا ہے اور زیادہ Complex ہے Szostak نے کہا وہ تمام proteins جو آج بنتے ہیں اُن کے لئے اپنی اپنی genetic codes ہوتی ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شروع کی زمین پر Spontaneously بن گئی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص RNA کا base sequence ایسا تھا کہ وہ enzyme کی طرح کام کرنے لگا اور خود بخود replicate کرنے لگا اور اسی کی قدرتی طور پر selection ہو گئی۔ یہی ہے ڈارون کے نظریہ ارتقا کی ابتدا اس سے قبل 2012 میں Jack Szostak نے اپنے مقالہ (جس کا عنوان تھا "Origins of Life Initiative") میں لکھا تھا کہ سب سے زیادہ حیران کن اور غیر معمولی سوال یہی ہے کہ کس طرح "مردہ" (non living) سے "زندہ" (living) یعنی زندگی کی اکائی (Cell) وجود میں آگیا اور کیا ہوا کہ یہ تقسیم بھی ہونے لگا 1 سے 2، 2 سے 4، 4 سے 8۔۔۔ یعنی cell division کو کس نے trigger کیا۔ کیا دو cell (جو n تھے جیسے کہ gamete (نطفۃ)) ملے n+n اور 2n (نطفۃ امشاج) تقسیم ہونے لگا۔ لیکن ایک cell خود بخود بھی تقسیم ہو کر اپنے جیسے cells (clones) بنا لیتا ہے جیسے کہ بکٹیریا اور دوسرے -unicel lular organisms (Protista)۔

Jack Szostak نے Biology کا اصل اور مرکزی نکتہ نظر (dogma) یہی ہے یعنی جس اصول پر سب متفق ہیں کہ مادہ جو "مُردہ" (lifeless) تھا وہ کیسے سفر کر کے "زندہ" ہوا اور Cell کہلایا سب biologists جانتے ہیں کہ DNA ایک ایسا molecule ہے جو بلیو پرنٹ ہے جس پر چار bases کا sequence ہے اور وہ منتقل

ہوتا ہے mRNA کو اور ایک فیکٹری (ribosome) میں جا کر اس پیغام کو ترجمہ (translate) کیا جاتا ہے جو کہ amino acids کا sequence ہے جو مختلف قسم کی proteins ہیں۔ یہ proteins جسم کے سارے کام کرتی ہیں (یہاں تک کہ ایک single cell کے بھی) چلنا پھرنا۔ کھانا ہضم کرنا۔ جسم میں توانائی پیدا کرنا۔ nerves اور mus-cles کا کام کرنا reactions کو تیز کرنا۔ آہستہ کرنا۔ لیکن پہیلی تو یہی ہے کہ شروع میں تو مختلف پروٹین نہ تھیں تو cell نے کیسے ارتقا کا سفر کیا کہ پروٹیز بنیں؟ Szostak کی یہی کوشش ہے کہ اس معمہ کو حل کرے۔ اس نے 31 مارچ 2017 کو بہت سے لیکچرز اس موضوع پر دیئے۔

"The Surprising Chemistry of non enzymatic RNA Replication"

جس میں اُس نے کہا کہ تجربہ کرتے وقت ہم ہر قسم کی conditions کو مہیا کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے تبدیل بھی کر لیتے ہیں لیکن شروع میں زمین پر تو evolution خود ہی ہو رہا تھا۔ آج Szostak اور اُس کے ساتھی self replicating RNA لیتے ہیں اور membrane بھی جو گول (spherical) ہوتی ہے پھر اس کے ٹکڑے ہو جاتے اور یا تو وہ shrink کر جاتی ہے یا اس کے چھوٹے گولے (sphere) بن جاتے ہیں۔ اسی طرح RNA بھی rep-licate تو کرتا تھا مگر membrane تباہ ہو جاتی تھی۔

Szostak اور اُن کے ساتھی ابھی بھی تجربات کر رہے ہیں تا علم حاصل کریں کہ تجربہ گاہ میں یہ cell کیسے کام کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ modern cell کیسے evolve ہوئے۔ نہ صرف evolve ہوئے بلکہ کام بھی کرنے لگے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کسی گھڑی کے چھوٹے چھوٹے پرزے پڑے ہوں اور خود بخود جڑ جائیں اور وہ بھی صحیح طریقے سے پھر وہ ٹک ٹک کر کے چلنے بھی لگے۔ پس زندگی (Cell) کا ایک بنانے والا تھا اور وہی چلانے والا بھی۔ سائنس دانوں کی کوشش سے البتہ یہ معلوم ہو چکا کہ life کہاں شروع ہوئی تھی۔

Stromatolites اور اُن کے اندر چھپے راز

مغربی آسٹریلیا کے شہر Perth سے ایک ہزار کلومیٹر شمال کی طرف سمندر کے ساحل پر وسیع علاقے پر layered rocks ہیں جن کو Stromatolites کہتے ہیں۔ سب سے اہم جگہ Nambung National Park ہے جو ان Stromatolites کا گھر ہے۔ Perth کے جنوب میں بھی ایک اور نیشنل پارک Yalgorup ہے اور اُس کے بعد بہت بڑی Lake Clifton ہے۔

جنوبی دنیا کی سب سے بڑی جھیل جہاں ایک اور بہت ہی fascinating چٹانیں جن کو Thrombolites

کہتے ہیں۔مانچسٹر یونیورسٹی سے پروفیسر Brian Cox خاص طور پر یہاں ٹی وی پروگرام کے لئے آیا اور کہا یہ کائنات کے Wonders میں سے ایک ہے۔

Stromatolites دنیا میں اور مقامات پر بھی ہیں جیسے میکسیکو، نمیبیا کا The Zebra River Canyon میں Bahamas میں Freshwater میں اور ترکی کی جھیل Salda اس کے علاوہ کینیڈا میں Kelly Lakes لیکن آسٹریلیا کے Stromatolites بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کر رہے ہیں کہ زندگی کی ابتدا یہیں ہوئی تھی آج سے کم از کم 3.5 بلین سال قبل اور جو life بن رہی تھیں وہ بہت چھوٹے (microscopic) بکٹیریا تھے جو Unicellular تھے یہ سب سے پہلے بنے تھے۔ ان کو cyanobacteria کہتے ہیں یعنی Prokary-otes یہاں جب کم گہرے پانی میں مٹی کی layers اکٹھی ہوتی رہیں تو جو single cells بنے وہ یہی بکٹیریا تھے جو ان layers میں اکٹھے ہو کر fossils کی شکل میں محفوظ ہو گئے پھر اور مٹی اوپر پڑتی رہی اور یہ sedimentary چٹانیں بن گئیں۔ یہ وہی Cyanobacteria ہیں جنہوں نے سورج سے روشنی لے کر Photosynthesis کیا اور at-mosphere کو آکسیجن دی۔ ان بکٹیریا کا زمین کی geochemistry کو تبدیل کرنے میں بہت بڑا role ہے۔

اس کے علاوہ انہی سے ارتقا کا عمل اُس رُخ پر چلا جس سے وہ Unicellular زندگی بنی جن کو Eukary-ote کہتے ہیں۔ پس آسٹریلیا میں دنیا کے سب سے پرانے fossils ہیں جو Unicellular ہیں اور ان کی بہت سی اقسام ہیں اور یہ Lake Clifton کے 4 مربع کلومیٹر رقبہ پر پھیلی ہیں۔

زندگی کی اکائی (Cell) ایک عجوبہ مشین

زندگی کی بنیادی اکائی، یعنی خلیہ (Cell) کے وجود میں آنے کے لیے RNA کو ابتدائی جینیاتی مادہ (genet-ic material) سمجھا جاتا ہے۔ بعض نظریات کے مطابق اس کی تشکیل سمندری ساحلوں پر آنے والی لہروں کے باعث بننے والے چھوٹے تالابوں میں ہوئی، جہاں پانی کا بار بار آنا اور جانا اور توانائی (energy) کی دستیابی اہم کردار ادا کرتی رہی۔ چکنی مٹی (clay) اس عمل میں نہایت اہم سمجھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں لوہا (Fe) اور جست (Zinc) جیسے عناصر موجود ہوتے ہیں جو ایک چارجڈ سطح (charged surface) فراہم کرتے ہیں۔ یہ سطح مالیکیولز کو منظم انداز میں جمع ہونے اور کیمیائی تعاملات کو جاری رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ بعد ازاں مالیکیولز کا مناسب ترتیب سے اکٹھا ہونا ممکن ہوا اور ابتدا میں نہایت سادہ نوعیت کے خلیات وجود میں آئے، جنہیں "پروٹو سیلز" (Protocells) کہا جاتا ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق ان میں RNA کی مختلف اقسام (genetic information) پائی جاتی تھیں، جس

کے باعث ان میں تنوع (variety) پیدا ہوا۔ قدرتی عمل کے ذریعے مفید ساختوں کا انتخاب (selection) ہوا اور بتدریج زیادہ مستحکم اور مؤثر نظام وجود میں آتے گئے۔

آج ہر جاندار کے cells کے اندر اصل genetic material کا نام DNA ہے جو اس کی مشینری کو کنٹرول کرتا ہے اس لئے یہ DNA بھی شروع میں ہی بنا ہوگا۔ اس کے اندر جو تحریر ہے وہ اصل information ہے جو Codes کی form میں ہے اور چار nucleotides (A,T,C,G) bases کے sequence کی وجہ سے بنتی ہے۔ DNA کا بننا بھی ایک معمہ (Riddle) تھا اور cell کا بننے کے بعد زندہ ہو جانا بھی۔ Jack Szostak کے بقول کیمسٹری سے Biology کی طرف منتقلی سب سے بڑا معمہ ہے۔ ہر وہ انسان جو خالق کے وجود کو تسلیم کرتا ہے وہ اس پہیلی کے پیچھے اُسی کی ذات کو مانتا ہے کہ جس طرح انسان کے جسم کو کام کروانے کے لئے ''روح'' کام کرتی ہے اُسی طرح اُس cell کو functional کرنے کے لئے اُسی خالق نے "ON" Switch کیا جیسے کوئی گھڑی ساز کرتا ہے۔

جب ہم اس بہت چھوٹے cell کا تصور دماغ میں لاتے ہیں جس کے اندر کئی قسم کے organelles ہیں جو بڑے سلیقے سے اپنا کام شاندار اور حیرت انگیز طریقے سے کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑی مطابقت کے ساتھ اور نظم و ضبط کے ساتھ ایک خوبصورت نظام میں چل رہے ہیں تو ذہن حیران رہ جاتا ہے۔ لیکن اس سے بہت زیادہ حیرانگی کی بات اُس DNA کی ساخت کی ہے جس کے اندر ایک programming کی گئی اور یہ خود بخود نہ تھی بلکہ اُسی cell کے خالق نے یہ سب پروگرامنگ کی جس نے اسے تخلیق کیا۔

Cell کی کہانی نہایت پُراسرار اور حیرت انگیز ہے۔ زندگی کی ابتدا سے لے کر RNA کی تشکیل، پھر DNA اور پروٹین کے بننے اور بالآخر خلیے کی تخلیق اور اس کے فعال (functional) ہونے تک کا میدان اتنا وسیع ہے کہ اس پر درجنوں نہیں بلکہ تقریباً سو کے قریب سائنس دانوں نے تحقیق کی، اور انہی تحقیقات کے نتیجے میں حیاتیات کے شعبے میں سب سے زیادہ نوبل انعامات دیے گئے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے جب کوئی Cell یا جاندار اپنی Biological سرگرمیاں انجام دے رہا ہو، اس کی اندرونی مشینری کام کر رہی ہو اور اس کے جینز (genes) فعال ہوں، تو ہم اسے زندہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ نظام رُک جائے تو اسے مردہ قرار دیا جاتا ہے۔ زندگی اور موت کا یہ Biological پہلو سب تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ خالق اور مالک کو ماننے والا اس سائنسی بیان کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ زندگی دینے اور واپس لینے والی ذات وہی ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرہ:29)

ترجمہ: تم کس طرح اللہ کا انکار کرسکتے ہو جب تم مردہ تھے پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا۔ وہ پھر تمہیں مارے گا

اور پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مٹی (تراب) سے جو سفر شروع ہوا وہ شعور کا سفر تھا۔ اندھیرے سے روشنی کی طرف کا سفر تھا۔ مردہ سے زندہ کی طرف کا سفر تھا۔ لاعلمی سے علم کا سفر تھا اور اس سفر کا climax انسان پر ہوا۔ یہ ارتقا کا وہ سفر تھا جو نہ حادثاتی تھا اور نہ اتفاقی نہ خود بخود نہ Blind بلکہ وہی جو نوبل انعام یافتہ اور Harvard University کے پروفیسر Jack Szostak نے 2019 میں کہا کہ یہ ایک "Directed Evolution" تھی۔ یقیناً یہی بالکل درست ہے۔ یہ اللہ کی سکیم تھی، planning تھی "Guided Evolution" تھی۔ اگر کسی جگہ بھی کہیں بھی اگر کچھ انتخاب کیا گیا L قسم کے amino acids کو یا "D" قسم کی sugars کو تو اسے ہی Natural Selection کہتے ہیں۔

ڈارون نے یہی کہا تھا کہ Nature selects the Fittest۔ قرآن پہلے ہی بتا چکا ہے:

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ۔ (القصص:69)

ترجمہ: اور تیرا رب جو چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے اور اُس میں سے چن لیتا ہے۔

فزکس کے پروفیسر Brian Cox نے کیا خوب کہا ہے۔

"Hidden Power in Nature that is Beautiful. And is Comprehensible and Incomprehensible at the same time"

اسی پوشیدہ طاقت کے بہت سے عجائبات ہیں اور انہی میں سے ایک شاہکار عجوبہ DNA ہے۔

DNA قدرت کا شاہکار

خدا کی ہستی کے منکر نہ معجزوں کو مانتے ہیں اور نہ قدرت کے عجائبات کو لیکن اولوالالباب اور تفکر کرنے والوں کو کائنات میں اور زمین پر تخلیق میں بہت سے اسرار اور عجائبات دکھائی دیتے ہیں۔ ہم نے چونکہ زندگی کی ابتدا کے متعلق کچھ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے اس لئے اسکی اکائی (Cell) کے اندر چھپے ہوئے قدرت کے اُس شاہکار کی بات کریں گے جسے DNA کہتے ہیں۔ یہ cell کی اور سبھی جانداروں کی زندگی کی کتاب ہے۔ اسکی تحریر دلچسپ، حیرت انگیز اور عجیب بھی ہے۔ جیسے خدا کی کتاب قرآن معجزہ ہے اور خدا کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتی ہے اسی طرح DNA پر لکھی "تحریر" بھی لکھنے والے کے وجود کی تصدیق کرتی ہے۔

ہر جاندار میں چاہے وہ Unicellular ہو یا multicellular اس کے cell کے nucleus کے اندر ایک خاص مقدار DNA کی ہے جو خاص تعداد کے "دھاگوں" کی شکل میں ہوتی ہے جنہیں chromosomes کہتے ہیں۔

یہ تعداد تبدیل نہیں ہوتی بلکہ نسل در نسل اسی طرح آگے چلتی ہے اور اُس جاندار کی شناخت ہو جاتی ہے۔ انسان کے جسم کے ہر cell میں یہ تعداد 46 ہے اور یہ 23، 23 کے دو جوڑے (pairs) ہیں جو والدین سے وراثت میں ملے ہیں۔

انسان کا DNA ان chromosomes میں بڑی نفاست سے pack ہوا ہے اور اسے human genome کہتے ہیں اور اس میں وہ تمام تحریر (information) موجود ہوتی ہے جس سے جسم کے تمام functions چلتے ہیں سائنس دانوں کو کچھ دہائیاں قبل تجسس ہوا کہ اس تحریر کو پڑھا جائے اس کے لئے ایک امریکی geneticist نے جس کا نام Francis Sellers Collins ہے، یہ سوچا کہ انسانی genome کو پڑھا جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ DNA بہت اہم ہے اور اس کی وجہ یہ کہ بہت سی بیماریاں genes کی وجہ سے ہوتی ہیں Collins نے بہت سی کتب لکھی تھیں جن میں سے New York Times کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب:

"The Language of God: A Scientist Presents Evidence for Belief"

Collins اس ادارے کا ڈائریکٹر تھا جو پہلے ہی انسانی genome پر کام کر رہا تھا۔ جب NIH کے تحت اس کام کا آغاز ہوا تو 1990 میں Collins کو اس Human Genome Project کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ اس project کا مقصد یہ تھا کہ انسانی genome کی "sequencing" کی جائے۔ یعنی جو 3 بلین ATCG (base pairs) ہیں اُن کی ترتیب دیکھی جائے۔ یہ کام 13 سال میں مکمل ہوا اور اس میں دنیا بھر کی 20 یونیورسٹیوں اور تحقیقاتی اداروں کے سائنس دانوں نے کام کیا اور 90 فی صد سے زائد genome کا sequence معلوم کر لیا۔ Collins نے اعلان کیا:

"ہم نے اپنی "Instruction Book" پڑھ لی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی ہستی پر ہمارے ایمان میں کوئی رکاوٹ آ گئی ہے"

انسانی جینوم (Human Genome) کو مکمل طور پر پڑھ لینا اس صدی کے عظیم ترین سائنسی کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ جس طرح پروٹینز (proteins) کی ساخت اور ان کے کرسٹلز (crystals) انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، اسی طرح DNA کی پیچیدہ ترتیب اور بناوٹ بھی تعجب انگیز ہے۔ اسی سلسلے میں ایک ممتاز برطانوی کیمیا دان Dorothy Hodgkin کا نام نمایاں ہے۔ انہوں نے حیاتیاتی نامیاتی مالیکیولز (biological organic molecules) کی 3D ساخت ایکس رے کرسٹلوگرافی کے ذریعے معلوم کی اور اس کام پر نوبل انعام حاصل کیا۔ انہوں نے انسولین (Insulin) کی ساخت بھی تقریباً 35 سال کی مسلسل محنت (1934 سے 1969 تک) کے بعد واضح کی۔ یہ دراصل پروٹین میں امائنو ایسڈز (amino acids) کی درست ترتیب اور ساخت کو سمجھنے کی ایک طویل

سائنسی جدوجہد کی داستان تھی۔

اسی طرح Rosalind Franklin نے ایکس رے کرسٹلو گرافی (X-ray crystallography) کی مدد سے DNA کی ساخت کے اہم شواہد فراہم کیے۔ ان کی تحقیق نے DNA کے 3D ڈھانچے کو سمجھنے میں بنیادی کردار ادا کیا، لیکن ان کی اچانک وفات کے باعث انہیں نوبل انعام نہ مل سکا۔ بعد ازاں اسی میدان میں کام کرنے والے سائنس دانوں، خصوصاً James Watson اور Francis Crick کو اس دریافت پر نوبل انعام دیا گیا۔ اسی تناظر میں John Desmond Bernal کا نام بھی اہم ہے، جو Birkbeck, University of London سے وابستہ تھے۔ انہوں نے حیاتیاتی مالیکیولز کے مطالعے میں ایکس رے کرسٹلو گرافی کے استعمال کو فروغ دیا۔ ان کے اور ان کے شاگردوں کے کام سے یہ واضح ہوا کہ وائرسز، نیوکلیک ایسڈز (RNA اور DNA) اور دیگر حیاتیاتی مرکبات نہایت منظم اور خوبصورت کرسٹل ساختیں رکھتے ہیں۔ اس تمام سائنسی سفر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قدرت کی تخلیق میں کیمیائی مرکبات کے اندر غیر معمولی ترتیب، ہم آہنگی (symmetry) اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے، جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

بہرحال ہم واپس اپنے مضمون کی طرف آتے ہیں Francis Collins اور اُس کی ٹیم نے DNA پر لکھی تحریر پڑھ لی اور اسکی 20 سے 50 ہزار genes بھی معلوم کر لیں۔ اتنے بڑے کارنامے کے بعد بہت سے genetic disorders کا علاج تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ اس سائنس دان کی زندگی کے تجربات اور جاننے کی جستجو نے اسکی زندگی بدل دی۔ Collins نے ایک انٹرویو میں جو "The Question of God" 2006 کے پروگرام میں جو pbs.org پر موجود ہے تفصیل سے بتایا کہ کیسے 27 سال کی عمر میں (جب وہ ڈاکٹر تھا) دہریت سے مذہب کی طرف واپس آیا۔ اس کی دو بنیادی وجوہات تھیں:

1. اس نے اپنے مریضوں کو دیکھا کہ کس طرح اُن کے ایمان نے ان کی تکالیف کو بدل ڈالا۔

2. اُس نے C.S. Lewis کی کتاب پڑھی اور اُسے یقین ہو گیا کہ خدا ایک حقیقت ہے جبکہ عیسیٰ ایک "پل" جس کے ذریعے خدا سے تعلق قائم کیا جا سکتا ہے۔ خدا کوئی فلاسفی نہیں بلکہ سچ ہے اس لئے مجھے اُس سے تعلق قائم کرنا چاہیئے۔

Collins کو سمجھ آنے لگی کہ خدا وہ ہے جس نے کائنات بنائی اُس کا ایک Plan ہوتا ہے اور وہ کچھ بھی بنا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کو بھی۔ Collins نے بتایا کہ C. S. Lewis کی کتاب (Mere Christianity) نے بتایا کہ خدا دل میں ہے اُسے وہاں ڈھونڈو۔ تب Collins سمجھ گیا کہ خدا دنیا سے دور ہے اُس کے وجود کے لئے سائنسی

ثبوت نہیں ہے مگر کسی معجزے سے تم اُس کو پہچان سکتے ہو۔

اگرچہ معجزات معمول کا حصہ نہیں ہوتے، تاہم Collins کا کہنا ہے کہ ہم خدا کو سائنسی اصطلاحات میں کیسے بیان کر سکتے ہیں، جب کہ وہ زمان و مکان (time and space) کی حدود سے ماوراء ہے؟ ان کے مطابق خدا نے انسان کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ سائنس کے ذریعے فطری دنیا (natural world) کو سمجھے، لیکن ہم کبھی بھی سائنسی طریقۂ کار سے خدا کے وجود کو مکمل طور پر ثابت یا ردّ نہیں کر سکتے۔ فرانسس کولنز یہ بھی کہتا ہے کہ کائنات کی تخلیق اور حیات کے پیچیدہ نظام کو دیکھنے اور سمجھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ سائنس اور ایمان (faith) ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔

(اس کے بالمقابل رچرڈ ڈاکنز دہریہ نے کہا تھا سائنس دان تجربہ گاہ میں جانے سے قبل مذہب کو باہر ہی چھوڑ دیتا ہے)

Collins جیسے انتہائی ذہین سائنس دان نے بتایا کہ سائنس اور خدا میں کوئی تضاد نہیں۔ مجھ میں یہ دونوں ایک ہی وقت میں exist کرتے ہیں اور مکمل آہنگی ہے دونوں میں ("entirely compatible")۔

Collins نے یہ بھی کہا کہ لوگوں کا خیال ہے سائنس اور مذہب میں تنازعہ (Contention) ہے۔ کچھ ارتقا کی بات کرتے ہیں اور کچھ بائبل کے Genesis کی۔ Evolutionists کہتے ہیں کہ خدا کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے ہمیں موقع دیا ہے کہ سائنس کی بنیاد پر natural world کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر خدا نے ہمیں تخلیق کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ ہم ارتقا کے طریقے سے اس کو سمجھ لیں اور کسی نتیجے پر پہنچیں تو یہ بڑا اچھا ("incredibly elegant") طریقہ ہے۔

میں نے Collins کے انٹرویو کے چند پوائنٹس جو خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اُن میں بہت Logic ہے، بیان کئے ہیں۔ Collins سے بڑھ کر کون سا geneticist خدا کی ہستی کو سمجھ سکتا ہے اُس نے تو خدا کی "تحریر" اُسکی اُس کتاب کو پڑھ لیا جو میرے، آپ کے اور ہر انسان کے cell میں ہے نیز ہر جاندار کے cell میں ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس سے اُس جاندار کی شناخت ہوتی ہے یعنی DNA۔ خالق نے ہر Cell کے لئے جو تحریر (genetic codes) بنادی تھی وہ شروع سے آج تک ویسی ہی چلی آرہی ہے یہ تحریر ثابت کرتی ہے کہ اس کا ایک خالق ہے کیونکہ یہ بہت درست اور عقل پر مبنی ہے جب انسان اس پر غور کرتے ہیں کہ اس میں کیا پیغام ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور جب اسکی decoding کرتے ہیں یعنی translate تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ایک مخصوص لمبائی (genes) سے بڑی درست proteins بنتی ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا خالق کیسا حکیم ہے۔

RNA کی دنیا (RNA World) کا نظریہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں پیش کیا گیا، جس کے مطابق ابتدائی حیات میں RNA بنیادی جینیاتی مادہ تھا۔ تاہم بعد کی تحقیقات نے DNA کے ارتقائی نظام کو اور بھی زیادہ حیرت انگیز انداز میں نمایاں کیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں انواع (species) میں DNA کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں، مگر ہر ایک میں جینیاتی "تحریر" نہایت منظم اور بامعنی انداز میں محفوظ ہے، اور یہی بنیادی نظام نسل در نسل آج تک منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

cell کا بننا اپنی ذات میں ایک معجزہ ہے کہ کسی طرح اس کے اندر organelles اور مختلف structures اچھے طریقے سے نہ صرف organise ہوگئے بلکہ بہت coordination سے کام بھی کرنے لگے۔ سائنس دانوں کے لئے زندگی کی ابتدا کے سفر میں اسرار اور معجزے ہی ہیں اور یہی بات ایک خالق کی طرف اشارہ کررہی ہے جو مُردہ سے زندہ کرتا ہے یعنی cell بنانے کے بعد اُسے functional کرتا ہے۔ یہ اس کی صفت "الحیّ" کی جلوہ گری ہے۔

سائنس دان تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ Jack Szostak نے کہا ایک protein کا بننا ہی ایسا عمل ہے جو ثابت کرتا ہے کہ DNA پر لکھی تحریر پیغام کی صورت میں RNA لے کر جاتا ہے اور جب وہ encode ہوتی ہے تو protein بنتی ہے۔ یہ عمل اتنا پیچیدہ ہے کہ اچانک اور خود بخود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے معنی ہیں کہ اس کے پیچھے غیبی قوت تھی یا دوسرے الفاظ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے ایک عظیم خالق کا ہاتھ تھا اور یہی حقیقت خدا کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔

Szostak اور اُسکی ٹیم نے بہت سے تجربات کئے اور وہ لوگ ہمیشہ اس نتیجے پر پہنچے کہ زندہ cell کا بننا معجزہ ہے یا ایک ایسی پہیلی جس کا حل ناممکن ہے۔ ایک اور معمہ یہ بھی کہ cell تقسیم کیونکر ہونے لگا؟ یہ cell تو بہت پہلے بن چکا تھا لیکن پھر اس سے باقی ساری multicellular life کے بننے میں 3.5 بلین سال لگ گئے۔

2010 میں Rockville Maryland کے Craig Venter Institute کے سائنس دانوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہم نے cell بنالیا ہے۔ ایک بیکٹیریا کا genome لیا۔ اُسے ایک enzyme سے کاٹا۔ پھر ایک دوسرے cell کو خالی کیا اور اُس میں اس genome کو ڈال دیا۔ کیا انہوں نے واقعی کچھ بنایا؟ نہیں انہوں نے کچھ بھی نہیں بنایا بلکہ جو cell قدرت نے پہلے ہی بنائے تھے انہی کو وہ تبدیل کررہے تھے (transformation) اور یہ process پہلے ہی خدا نے بکٹیریا میں بنا رکھا تھا۔ خدا نے تمام ingredients شروع سے بنائے۔ اس لئے J. Craig Venter اگر cell بنانے کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اسے scratch سے بنائے۔ جس process کو کروڑوں کروڑ سال

لگے پھر ارتقاہوا وہ کیسے تجربہ گاہ میں چند سالوں میں ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے قوانین بھی قدرت نے ہی بنائے تھے۔

یکم ستمبر 2009 کو جریدہ Scientific American میں Jack W. Szostak اور Alonso Ricar-do کا ایک مضمون شائع ہوا، جس میں کیمیائی ارتقا (chemical evolution) اور آغازِ حیات پر گفتگو کی گئی۔ اس تناظر میں طبیعیات کے "اسٹینڈرڈ ماڈل" (Standard Model) کا ذکر آتا ہے، جس میں چار بنیادی قوتوں (fun-damental forces) اور بنیادی ذرات (particles) کو بیان کیا جاتا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے یہ تمام عناصر اور طبیعی قوانین حیات کے آغاز کے لیے فطری اسباب (natural causes) فراہم کرتے ہیں۔ اب چاہے کوئی ایمان رکھنے والا ہو یا دہریہ ان اسباب کے مہیا کرنے والے کو ضرور مانتا ہے۔ اور ایمان والے اسی اسباب کے مہیا کرنے والے کا نام خدا رکھتے ہیں۔

Origin of Life ایک ایسا عنوان ہے جس کے لئے علم کی تلاش اور تجسس بہت ضروری ہے اور جو لوگ جستجو میں لگے رہتے ہیں وہ ضرور سوچتے ہیں کہ زندگی کیسے بنی اور ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ بہت سے سائنس دانوں نے اس سلسلے میں بڑی تحقیق کی خاص طور پر Prof. John Sutherland نے RNA کے origin کے بارے میں بہت کام کیا۔ جب COVID-19 آیا تو Sutherland نے کہا اس Virus نے ہمیں بہت کچھ سکھایا۔ جب کچھ غلط ہو جاتا ہے تو بہت بڑی تباہی آسکتی ہے۔ سائنس کا علم بڑا اہم ہے کیونکہ یہ علم انسان کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی COVID نے کیا اور اس پر بڑی تحقیق ہوئی۔ Francis Collins نے بڑی جلدی اس کی Vac-cine دریافت کرلی۔

پس جو شخص تحقیق اور جستجو کا شوق رکھتا ہے، وہ لازماً یہ جاننا چاہے گا کہ زندگی کی ابتدا کے بارے میں Bi-ology میں کہاں سوالات اٹھتے ہیں۔ اگر اس بات کو سمجھنا مقصود ہو تو ہمیں ماضی کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور اس کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ یہ میدان Origin of Life اور اس کے ارتقا سے متعلق ہے، جس پر مسلسل تحقیق جاری ہے اور جسے سمجھنے کے لیے تاریخی، کیمیائی اور حیاتیاتی شواہد کا گہرا جائزہ ضروری ہے۔

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131 Editor: Mahfooz ur Rehman

MARCH 2026 | AMAAN 1405(HS)| RAMADHAN 1447(HQ)| VOL.15 NO.03

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib